سوشیلا

عبدالکریم

سوشیلا

مصنّفہ

خواجہ عبدالکریم ایم اے

دارالاشاعت پنجاب لاہور

قیمت ۸ر

مَیں

اِن اوراق کو علمبرداران و
حامیان امداد باہمی و مُحبّانِ
وطن کے نام معنون کرتا ہوں ؞

عبدالکریم

۷۸۶

سوشیلا

داس بابو نے کلکتہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے پاس کیا۔ تو اُسے اب ملازمت کی فکر دامن گیر ہوئی۔ اُس کی دلی آرزو تھی کہ وہ کسی طرح کسی کالج میں تاریخ کا پروفیسر لگ جائے۔ اُسے اپنی قابلیت پر بہت ناز تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا؟ وہ جب تک تعلیم پاتا رہا اُس نے وظائف پر گزر کی۔ کوئی ایسا امتحان نہ ہوتا تھا جس میں وہ اول نہ رہا ہو۔ چنانچہ اب کی بار بھی وہی اول رہا۔ لیکن جب ملازمت کے سلسلہ میں دوڑ دھوپ کرنی پڑی تو اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔ کوئی آسامی خالی نہ تھی۔ آخر تھک کر اخبارات میں "ضرورت" کے کالم پڑھا کرتا۔ چاروں طرف درخواستیں بھیجنے لگا۔ اور صبح شام جواب کا منتظر رہتا۔ بیچارا تن تنہا ہوتا تو خیر اتنی فکر نہ ہوتی تھی۔ مگر گھر میں خوبصورت نوجوان بیوی اور ایک ننھی بچی تھی۔ اُن کے آرام و آسائش کی ذمہ داری اُس

کے سر تھی۔ وہی داس جو امتحان سے پہلے پھول کی طرح شگفتہ رہتا تھا۔ اب اُداس رہنے لگا۔ ایک دن خوب موسلادھار بارش ہوئی۔ کلکتہ کے بازاروں میں دریا بہ نکلے۔ ایک سال کی پھول سی ننھی بچی خوشی سے ماں کی گود میں اچھل رہی تھی۔ مگر اس گھر میں غربت اور تنگ دستی نے اندھیرا کر رکھا تھا۔ یہ بچی ننھی سی جان اس اندھیرے گھر کا اُجالا تھی۔ وہ جب مُسکراتی میاں بیوی مُسکراتے۔ وہ جب داس کا کا منہ نوچتی یا اُسے چمٹ جاتی تو باپ کے سب غم دُور ہو جاتے مگر آج گھر میں کھانے کے لئے ایک دانہ نہ تھا۔ بارش تھم گئی۔ تو پھر بازاروں میں اُسی طرح چہل پہل شروع ہو گئی۔ مگر داس گھر ہی بیٹھا رہا۔ آج اُس کی جیب میں ایک پیسہ بھی نہ تھا کہ اپنی بچی کے لئے کوئی مٹھائی ہی لا دیتا۔ اتنے میں ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ اور پانی سے بھیگے ہوئے تھیلے میں سے ایک بند لفافہ نکالا۔ داس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے لفافہ کھولا۔ تو اس میں یہ انگریزی چھٹی پائی :-

کلکتہ ۱۶؍جنوری ۱۹۱۹ء

جناب عالی!

بجواب آپ کی درخواست مورخہ ۲۶؍ستمبر ۱۹۱۸ء آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کو فی الحال بطور سنیئر کلرک مقرر کیا جاتا ہے۔ آپ کو شروع میں اسّی روپے ماہوار تنخواہ ملے گی۔ آپ مورخہ ۱۲؍جنوری کو صبح دس بجے دفتر پہنچ جائیں۔

تمہارا

آر۔ رابرٹ ایجنٹ امپیریل بنک کلکتہ

واس نے دوبارہ خط پڑھا اور کچھ دیر سوچ میں غرق رہا۔

سوشیلا:۔ کیوں کیسا خط آیا ہے؟

واس:۔ آج ہماری سُنی گئی!

سوشیلا:۔ کیوں پروفیسر لگ گئے؟

واس:۔ اسّی روپے پر سنیئر کلرک!

سوشیلا:۔ کہاں؟

واس:۔ امپیریل بنک میں!

سوشیلا:۔ مبارک ہو! نہ ہونے سے تو ہزار درجہ بہتر ہے۔
ایشور جانے تمہاری لیاقت دیکھ کر صاحب تمہاری ترقی کر
دیں۔ سینکڑوں درخواستوں کے جواب میں ایک جواب آیا
ہے۔ اب کے بھگوان کے لئے یہ موقع ہاتھ سے نہ کھونا۔
واسن نے خوشی سے ننھی بچی کو گود میں اٹھا لیا۔ اور
بولا:۔

"میری پیاری منترا! ننھی منترا! یہ تمہارے صدقے نوکری
ملی ہے۔ تم کتنی اچھی ہو، مٹھائی کھاؤ گی؟ آبا! سیر کرنے
جاؤ گی؟"

سوشیلا:۔ ابھی مٹھائی لا دو۔
واسن:۔ ذرا چل کر ابھی جاتا ہوں۔ منترا بھی ساتھ جائے گی۔
خوشی سے سوشیلا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ رخساروں
کی زردی سرخی سے تبدیل ہو گئی۔ اور دل ہی دل میں سوچتی
"ہے بھگوان! یہ تیری کرپا سے روزگار کا دروازہ کھل
گیا ہے بھگوان! تو میرے چاند سے واسن کو اتنا مالا مال
کر دے کہ اس سے سمیٹا نہ جائے۔ میں خود بھوکی رہ
سکتی ہوں۔ خود پھٹے پرانے کپڑے پہن سکتی ہوں۔ مگر

مجھ سے میرے داس کی تنگ دستی نہیں دیکھی جا سکتی۔"

(۴)

آج کالی پوجا کے لئے عورتیں غول کے غول مندروں کی طرف اُمڈی آ جا رہی تھیں۔ ہر ایک نے رنگ رنگ کی ساڑھیاں پہن رکھی تھیں۔ اور سب ہاتھوں میں چاندی سی تھالیاں اُٹھائے جا رہی تھیں۔ ان تھالیوں میں ناریل۔ پھول۔ کیلے۔ سندور تھے اور ایک جوت جگ رہی تھی۔

سوشیلا بھی آج ریشمی گنگا جمنی ساڑھی پہنے تلک لگائے ننگے پاؤں ایک ایسی تھالی اُٹھائے بھیڑ میں تنکے کی طرح بہ رہی تھی۔ اور آخر بڑی مشکلوں سے کالی ماتا کی مورتی کے سامنے پہنچی۔ آنکھیں زمین میں گڑی تھیں۔ نہایت ادب سے سب چیزیں کالی جی کے چرنوں میں رکھ دیں۔ اور مورتی کو ماتھا رگڑنے لگی۔ جب سر اُٹھایا، تو اس کے رخساروں پر آنسوؤں کے موتی بہ رہے تھے۔ ہاتھ جوڑ کر دو زانو کھڑی ہو گئی، اور دل ہی دل میں یہ پرارتھنا کرنے لگی:-

"کالی ماتا! تیرے صدقے جاؤں۔ تیرے چرنوں کی طفیل

میرے بابو جی کو نوکری ملی۔ اب ڈیڑھ سو روپیہ تنخواہ ہو گئی ہے۔ تو نے مجھ غریب کی لاج رکھ لی ہے۔ کالی ماتا تیری جے، کالی ماتا تیری جے"

سوشیلا کالی ماتا کے پُرشور نعروں کے درمیان اُلٹے پاؤں واپس آئی۔ مندر کے دروازہ کی چوکھٹ پر پھر سر رکھ دیا ہے۔ اور خوشی خوشی گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

آج کالی پوجا کی وجہ سے دفتر اور کاروبار بند تھے مگر واس بابو گھر ہی میں بیٹھا رہا۔ میز پر دفتر کے کاغذات کا پلندہ پڑا تھا۔ مگر واس بابو کا اخبار بینی میں دل لگتا تھا۔ "بنگال" اخبار کھولا اور اُس کی ورق گردانی کی۔ تو ایک صفحہ پر جلی حروف میں یہ مضمون تھا۔

"بھارت ماتا کی فریاد"

"ہندوستان کے سپوتوں کا فرض"

"آہ! آج ہندوستان کے نوجوانوں نے اپنی دکھی بھارت ماتا کی آہ و زاریوں کے سُننے

سے انکار کر دیا ہے۔ وہ دفتروں، کالجوں اور
مدرسوں میں طوقِ غلامی پہنے ہوئے ہیں مگر
اپنی ماتر بھومی کے آزاد کرانے کی کوئی فکر
نہیں کرتے۔ آہ! اے رات بیوی بچوں میں
میٹھی نیند کے سونے والو تمہیں کیا علم بھارت
ماتا کی کیونکر گزر ہوتی ہے؟ اس کے ہزاروں
بچے آج قید کی کڑیاں جھیل رہے ہیں۔۔۔
کروڑوں بچے رات بھوکے سوتے ہیں۔ نہ
ان کے تن ڈھانکنے کو کپڑا، نہ کھانے کو روٹی
کا ٹکڑا،

آہ! یہ کن لوگوں کا قصور ہے۔ یہ اُن بیٹوں
کا قصور ہے۔ جو غریب کسانوں اور مزدوروں
کی حق تلفی کر کے آج بڑے بڑے عہدوں
پر براجمان ہیں۔

آہ! یہ اُن کا قصور ہے۔ جنہوں نے اپنے
ماتر بھومی بھائیوں کی آہنی زنجیریں مضبوط
کر دی ہیں۔ جنہوں نے چاندی کے چند ٹکڑوں

کے لیئے اپنا دھرم بیچ دیا۔ مبارک ہیں۔ وہ لوگ جو آج مہاتما گاندھی کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے ہیں۔ مہاتما گاندھی کی جے!!

یوں تو داس بابو نے اس سے بھی زبردست مضامین پڑھے تھے۔ اس سے بھی زیادہ جوشیلی تقریریں سنی تھیں۔ مگر آج ان چند سطروں کے پڑھتے ہی رونے لگا۔ اور خیالات میں ڈوب گیا۔

"سچ ہے۔ میں نے اتنی محنت سے ایم۔ اے پاس کیا۔ مجھے کیا ملتا ہے۔ ڈیڑھ سو روپیہ۔ میری اس سے گزر نہیں ہوتی۔ دل تو یہی چاہتا ہے۔ کہ میں بھی ملک کی سیوا کروں۔ میں بھی بھارت ماتا کا بہادر سپوت کہلاؤں۔ آہ! میں گم نامی کی زندگی سے تنگ آگیا ہوں مجھے محلہ بھر میں کوئی نہیں جانتا۔ میری تاریخ دانی کا دنیا کو کیا فائدہ۔ مسٹر سی۔ آر۔ داس کا آج دنیا میں نام روشن ہو گیا ہے۔ کیا میں بنک کی سیخوں میں قید رہوں گا۔ اب یہ نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ ملک کے ہزاروں لوگ وطن کی آزادی کے لئے بے چین ہوں۔ اور میں

یوں ہی سویا کروں۔ اے بھارت ماتا، میرا تجھے پرنام ہو۔ تجھی ہی سے دیش بھگتی کا بل مانگتا ہوں۔ میں تیرے چرنوں پر ملازمت، آرام اور آرائش قربان کر دوں گا۔ . . . .“

”بابو جی . . . .“

”آہا! آگئیں“

”ہیں! کیا رو رہے تھے؟“

”(مسکرا کر) نہیں!“

”نہیں کچھ بات تو ضرور ہے۔ مجھ سے یہ نہیں دیکھا جا سکتا“

”میری آنکھیں خراب ہو گئی ہیں“

”آہا! مجھے بناتے ہو، اوئی سمجھ گئی۔ یہ موئے اخبار دم نہیں لینے دیتے، ضرور انہوں نے رُلایا ہے۔ میرے پیارے بابو جی، آپ کیوں فکر مند رہتے ہیں۔ دیش بھگتی کے لئے ملک میں بہت لوگ ہیں، اب تم کالی جی کی کرپا سے بچوں والے ہو، ننھی منترا چار سال کی ہو گئی ہے“

"رہنے دو، میں نے آج ارادہ کر لیا ہے"
"(حیران ہو کر) کیوں؟ کیا ارادہ؟"

داس بابو کو تحریک ترک موالات میں شامل ہوئے ایک سال ہو گیا تھا۔ اب وہ اپنی ذاتی قابلیت، تدبّر، اور اخلاص سے کلکتہ سٹی کانگرس کا سرگرم سکرٹری تھا سر سے پاؤں تک کھدر میں ملبوس ننگے سر دن رات قومی کاموں کی دھن میں لگا رہتا۔ اُس کا خیال تھا۔ کہ کانگرس بہت جلد ملک میں انقلاب برپا کر دے گی۔ بدیشی کپڑوں والے اُسے اچھے نہیں لگتے تھے۔ وہ ٹرامو ے گاڑی میں جب قومی کاموں کے لئے اِدھر سے اُدھر جاتا تو چلتی ٹرامو ے ہی میں کانگرس کا پرچار شروع کر دیتا۔ بابو جی کے دم سے ہزاروں رضاکار، ہزاروں ممبر ہو چکے تھے۔ ایثار، ہمدردی اور صبر کی زندہ تصویر دیکھنی ہو تو بس داس بابو کو دیکھ لو، وہ کانگرس کے عہدوں یا شہرت کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ

کم از کم کلکتہ میں سب لوگ اُسی کے ہم خیال ہو جائیں۔ جب وہ کسی کام کو بھاگا ہوا جاتا۔ تو وہ دل میں یہی سمجھتا کہ بس ساری دُنیا اب اسی ایک خیال میں ڈوب گئی ہے کلکتہ کا کوئی بازار، کوئی محلہ، کوئی کوچہ ایسا نہ ہو گا جہاں اُس نے جلسے کر کے تقریریں نہ کی ہوں، جلوس نہ نکالے ہوں، کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں لوگوں نے تلک سوراج کے لئے چندہ نہ دیا ہوا۔ رات جب وہ گھر آتا تو اُس کی بیوی اور بچے سوئے پڑے ہوتے تھے۔ وہ انہیں جگائے بغیر خود ہی چپکے روکھا سوکھا کھانا کھا لیتا۔ اور سو رہتا۔ دفتر چھوڑے ایک سال ہو گیا تھا۔ جو کچھ جمع کیا تھا وہ ایک ہی سال میں اُڑ گیا۔ اگر وہ چاہتا تو کانگرس فنڈ میں سے ہزاروں روپے اپنے کام میں لے آتا۔ سینکڑوں گمنام آدمیوں نے اُسے اس طرح چندہ دیا۔ کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہوئی۔ مگر یہ بچارا کیا مجال کہ ایک کوڑی بھی اِدھر اُدھر کرے۔ بدیشی کپڑوں کو جب سر بازار جلایا گیا۔ تو اُس میں بچاری سوشیلا کی ایک ریشمی نئی ساڑھی بھی تھی۔ بچوں کے کئی ایک کپڑے تھے۔ ایک

سال بعد گھر کا نقشہ ہی اور تھا۔ سوشیلا کے پاس کھدر کے صرف چار جوڑے تھے۔ جنہیں وہ باری باری دھو کر پہنتی، خود بابوجی کے پاس اب تین جوڑے تھے۔ جیب میں ایک پیسہ نہ ہوتا تھا۔ کہ بازار سے پان کھالیں۔ سر کے بال تیل نہ ملنے کی وجہ سے چٹک گئے تھے۔ اُس کی شکل وصورت، رنگ ڈھنگ دیکھ کر سب دوست آشنا کہتے تھے:-

"کیا یہ وہی واس بابو ہے، ہائے کانگرس نے ہزاروں کی جوانیاں خاک میں ملادی ہیں۔"

بیوی کو جب موقع ملتا یہی کہتی "بے شک آپ قومی خادم ہیں، آپ لوگوں کی نظروں میں ایثار کے پتلے ہیں۔ آپ کی سرگرمی اور دیش بھگتی دیکھ کر لوگ عش عش کرتے ہیں۔ مگر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایسے دیش بھگت کے بچے بھوکے مریں۔ ہائے! کتنے ظالم ہو ہمارے تن ڈھانکنے کو کپڑا نہیں رہا۔ اگر میرے بس کی بات ہو تو میں سب کانگرس والوں کو جیل میں دے دوں۔ مجھے تو تمہاری دیش بھگتی تب اچھی لگتی۔ اگر ساتھ

ساتھ اپنی حالت بھی درست کرنے جانتے۔ کیا تمہیں اُن لوگوں پر اعتبار ہے جو "بندے ماترم" اور "اللہ اکبر" کے نعروں سے زمین و آسمان ہلا دیا کرتے ہیں۔ میں تو سمجھتی ہوں یہ ہنڈیا کا اُبال ہے۔ موئے لوگ لیڈر کی تقریریں سُن کر بے شک داد دے دیتے ہیں۔ مگر جب وہ جیل میں جاتا ہے تو بس سب بھول جاتے ہیں۔ مجھے ان لوگوں پر ذرا اعتبار نہیں، کانگرس نے سرکار کا کیا بگاڑا ہے؟ سپاہی۔ عدالتیں۔ سکول۔ کالج سب اُسی طرح قائم ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے آپ جیسے ہزاروں نے اپنے پاؤں خود کلہاڑا مار لیا ہے!"

بچارا داس بابو خاموش بیوی کی تقریر سُنا کیا اور اگر وہ زیادہ بڑھنے لگتی تو کہتا:۔

"ہائے! تم میری اچھی رفیق درد و غم ہو، تم میری اچھی خیر خواہ ہو، مجھے یوں ہی دن رات کوستی رہتی ہو آخر تم ہی بتاؤ میں نے کیا قصور کیا ہے، میں ملک کا خادم ہوں، اور خواہ میری جان جائے میں اب یہ قومی خدمت نہیں چھوڑ سکتا۔ تم دیکھو تو سہی چند ماہ تک کیا

ہونے والا ہے۔ تم اچھی طرح سمجھ لو آج سے ایک سال بعد ہندوستان میں سواراج قائم ہو جائے گا۔ یہ درست ہے۔ کہ ہمارے اکیلے کئے کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ بے انصافی ہے۔ اگر اسی طرح سب لوگ کہنے جائیں تو سمجھ لو آج کانگرس کے ساتھ ایک شخص بھی نہ رہے، آہ! مجھے تو تب خوشی ہو۔ اگر تم بھی میرے دوش بدوش کام کرو۔ مَیں کلکتہ کے مردوں کو اتفاق کی لڑی میں پروتا ہوں، اور تم عورتوں کی سماج مضبوط کرو۔ مجھے دوسری عورتوں کو کام کرتے دیکھ کر شرم آتی ہے"۔

سوشیلا:۔ "میرا جی تو یہی چاہتا ہے۔ کہ میں آپ کے دوش بدوش پرچار کروں۔ مگر مجھ سے بھوکا رہ کر نہیں کام کیا جا سکتا، آپ ہاں کوئی ایسی تدبیر سوچیں جس سے لوگ روٹی کی فکر سے آزاد ہو جائیں"۔

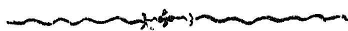
"یہ سواراج کے بعد سوچا جائے گا"۔

"تو کیا آپ اس سے پہلے خود فاقہ مستی کرنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں!"

"بس! پھر کیوں خواہ مخواہ اتنی اودھم مچا رکھی ہے۔ سرکار کے خلاف مُفت کی چھیچا لیدر اچھی نہیں۔ تم لوگ شاید سمجھے بیٹھے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ ہیں۔ مگر ایک دو سال کی افراتفری سے وہ بھی تنگ آ گئے ہیں۔ لوگ تو صرف اُس کا ساتھ دیں گے جو انہیں روٹی دلائے، انہیں کپڑے دلائے اچھے مکان رہنے کو دلائے۔ جیل یاترا کے لئے سارا ملک کبھی نہیں تیار ہو سکتا۔"

داس بابو اپنی بیوی کی سب باتیں سُنتے اور لاجواب ہو جانے بہت رات تک بے چین ہو کر کروٹیں بدلتے رہتے۔



(۳)

چاندنی رات تھی، بادلوں کے سفید اور سیاہ ٹکڑے نیلے آسمان پر تیرتے پھرتے تھے۔ اور جیل کا ایک قیدی اپنی تنگ و تاریک کوٹھری میں زمین پر لیٹا آسمانی جہازوں کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ مگر اُس کی نظریں آسمانی دولہا پر لگی تھیں۔ سیاہ بادل جب اس کا مُنہ چھپا دیتے تو یہ بے چین ہو جاتا اور کہتا:-

"چاند! پیارے چاند!! سیاہ بادل تیرے پیارے چہرہ کو میری آنکھوں سے کیوں اوجھل کرتے ہیں۔ اے چاند، تیری کرنیں کیسی پیاری ہیں، جو مجھ بدنصیب تک پہونچ رہی ہیں۔ اے تیز ہوا کے سرد جھونکو بڑھو۔ اور یہ نیلے آسمان کے آنگن میں جو میلے کپڑے پھیلے ہیں۔ انہیں اڑا دو۔

آہا! دیکھوں تو سہی یہ کیا تماشہ ہو رہا ہے، یہ برف کا ایک ہاتھی بن گیا، اے لو! ہاتھی دُبلا ہوا چلا جا رہا ہے واہ! اب اونٹ دکھائی دیتا ہے، آہا! غور سے دیکھوں

. . . .

ہیں! یہ تو ایک آدمی تلوار اُٹھائے ہے، اُف گدھا بن گیا ہے، ارے یہ پریوں کا جھرمٹ بن رہا ہے، وہ شیر اور چیتے کی لڑائی ہونے لگی"!

غرض اس طرح سے بہت رات تک قیدی انہی بادلوں کی ہی سیر کرتا رہا۔ آج کوٹھری میں پہلے کی نسبت بہت کم گرمی تھی۔ اور نہ ہی مچھروں اور پسوؤں نے بہت ستایا کچھ دیر تک تو وہ آسمان کے قدرتی تماشوں میں محو رہا۔

لیکن جب آسمان پر سیاہ بادلوں نے ڈیرے جما دیئے تو وہ دل ہی دل میں باتیں کرنے لگا :۔

آہ! جس طرح یہ بادل آسمان پر چھائے ہوئے ہیں، اسی طرح ہم پر غربت اور بدبختی کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ خدا معلوم میرے بیوی بچوں نے آج کیا کھایا ہوگا خبر نہیں اُن کا کیا حال ہو رہا ہوگا۔ سوشیلا، پیاری سوشیلا تم سچ کہا کرتی تھیں۔ بے شک سوراج سے پہلے ہمیں گھربار کی خبر لینی چاہئے۔ بے شک ہمیں غریبوں کو غربت سے بچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ کاش قید ہونے سے پہلے میں نے اپنے ننھے بچوں کی پرورش کا بندوبست کیا ہوتا کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ قومی کارکنوں میں سے جو کوئی گرفتار ہو اُن کے وارثوں کو امداد دی جایا کرے!

عام طور پر لوگ بہت تنگ دست رہتے ہیں۔ اور ساہوکار کا قرضہ انہیں دن بدن دبائے رکھتا ہے۔ کوئی ایسا طریقہ ہو جس سے لوگ اپنے مکانوں میں رہیں سستے داموں اناج خریدیں۔ عوام کی تعلیم کا مفت انتظام ہو۔ اُن

کی پرورش کے لئے خالص دودھ ملے۔ کھڈی کا کام بھی اسی طرح ہاتھ میں لیا جائے۔ مگر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کانگرس یہ کام نہیں کر سکتی۔ کانگرس کے پاس اتنی دولت کہاں ہے تلک سوراج کا ایک کروڑ روپیہ یوں ہی ضائع ہو گیا ہے، کانگرس یا اسی قسم کی سیاسی جماعت کی سرگرمیاں موسمی ہوا کرتی ہیں۔ ہمیں تو ایسی انجمن اور تنظیم کی ضرورت ہے۔ جو مستقل ہو۔ اور جو پائیدار ہو، جسے سرکاری امداد کا بھی سہارا ہو۔ جس میں تعلیم یافتہ وغیر تعلیم یافتہ ہر دو طبقے پہلو بہ پہلو کام کر سکیں۔ ملک میں کون سی جماعت ہے؟ وہ ایک اور صرف ایک! آہا! "امداد باہمی"! ہر صوبہ میں، گاؤں۔ گاؤں اسی کا جال بچھ رہا ہے۔ لاکھوں آدمی اس میں شامل ہو رہے ہیں۔ کروڑوں روپے اس کے خزانوں میں جمع ہیں۔ ہزارہا زمیندار اسی کے طفیل بچ گئے ہیں۔ کانگرس نے بے شک ملک میں سیاسی بیداری پیدا کر دی ہے۔ مگر کون کہتا کہ اس کے ذریعے زمینداروں کو کوئی فائدہ پہنچا ہے؟ آج ہر جگہ کانگرس وکیلوں۔ بیرسٹروں۔ اور سرمایہ داروں کے قبضہ میں ہے

برخلاف اس کے امداد باہمی عام لوگوں کی جماعت ہے ۔ لوگوں کے واسطے ہے ، اور لوگوں ہی کے ہاتھ اس کی باگ ڈور ہے ۔ کیا مَیں اور میری قسم کے اَور لوگ اس جماعت میں داخل ہو سکتے ہیں ۔ یقیناً ہو سکتے ہیں ۔ اگر ہماری پارٹی کے لوگ امداد باہمی کے ذریعہ لوگوں کو منظم کریں ۔ تو مجھے یقین ہے کہ ہم ایک ایسا کام کرسکتے ہیں جو کانگرس کبھی نہیں کر سکتی ۔ اچھا صبح میں اپنے قیدی دوستوں سے اس کے متعلق بات چیت کروں گا ۔ دیکھوں وہ کیا کہتے ہیں :-

یہ ایک ایسا فیصلہ تھا جس نے اسے جلدی سُلا دیا نیچے بوریہ بچھا تھا ۔ اور اپنے بازو کو تکیہ بنا لیا ۔ صبح ہوئی سورج نے اپنی سُنہری کرن کا نیزہ چبھویا انگڑائی لے کر جاگا ۔ منہ ہاتھ دُھویا ۔ کچھ دیر تک ایشور بھگتی کی ۔ اور دروازہ کھُلنے پر اپنے دوستوں کے ساتھ جیل کے کارخانہ میں کام کرنے چلا گیا ۔ یہاں کوئی چھ سو سیاسی قیدی کام کر رہے تھے ۔ کئی ایک لفافے بناتے تھے ۔ کئی ایک نوار بُنتے تھے ۔ کئی ایک سن صاف کرتے تھے ۔ کوئی

بھی ایسا قیدی نہ تھا۔ جو کام نہ کر رہا ہو۔ داس بابو خود بھی کام کرنے لگا۔ مگر اُس کا خیال کہیں اور تھا۔ وہ اس فکر میں تھا کہ رہائی کے بعد کسی طور ایک ایسی انجمن باہمی میں شامل ہو جائے۔ جو نوجوانوں کو بیکاری سے بچائے۔

ایک قیدی :- داس بابو جی! آج تم اُداس نظر آتے ہو کیوں؟ کس سوچ میں ہو؟

داس بابو :- یوں ہی . . . .

قیدی :- پھر بھی، کچھ بات ضرور ہے۔

داس بابو :- میں اس خیال میں غرق ہوں۔ کہ کیوں کر ہندوستان کے غریب کسان، مزدور، زمیندار، تجارت پیشہ اور چھوٹے چھوٹے ملازم پیشہ لوگ خوشحال رہ سکتے ہیں۔

قیدی :- آہا! آپ بھول گئے۔ آپ کس لئے جیل میں آئے ہیں۔ سواراج کے لئے اور "سواراج" ہی سب بیماریوں کا علاج ہے۔

داس بابو :- بے شک! سواراج سے ہزاروں مشکلیں حل ہو جائیں گی۔ مگر مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ لوگ کیونکر

خوش حال ہوں گے۔ بے شک ہماری چند ملازمتوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ ہم تجارت کو ترقی دے سکیں گے مگر عامۃ الناس جو آج تنگ دست ہیں۔ یقیناً کل بھی ایسے ہی ہوں گے۔ ہم لوگ سیاسی سواراج کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کو اقتصادی سواراج کی ضرورت ہے۔

قیدی:۔ بے شک! اقتصادی سواراج ضروری ہے۔ لیکن اس کی خاطر ہمیں سیاسی جدوجہد ترک نہیں کرنی چاہیے۔

واس بابو:۔ آہا! کون کہتا ہے۔ کہ سیاسی جدوجہد ترک کرو۔ کون کہتا ہے۔ کہ تم دیش بھگتی چھوڑ دو۔ کون کہتا ہے تم اپنے حقوق کی حفاظت نہ کرو۔ سوال تو یہ ہے کہ کس طرح سے عوام میں کفایت شعاری، نیک چلنی، تعلیم صفائی، ارزاں خرید و فروخت، اعلےٰ زراعت اور صنعت و حرفت جاری کی جائے۔ ہندوستان غریب ملک ہے۔ اس میں لوگوں کے پاس سرمایہ نہیں ہے۔ کہ آزادانہ کوئی کاروبار جاری کر سکیں۔ انہیں کیوں کر زراعت، صنعت

وحرفت کی طرف راغب کیا جائے۔ یہ ایسی مشکلات ہیں
جنہیں حل کرنے کے لئے اتفاق و اتحاد کی ضرورت ہے۔
میں جیل سے باہر بھی ان مسائل کو سوچتا رہا ہوں۔ اور
یہاں میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔کہ" امداد باہمی" سے بہت
کچھ ہو سکتا ہے۔ کاش! قید ہونے سے پہلے مَیں نے
اس کے متعلق کچھ کیا ہوتا۔ کیا آپ میرے ساتھ مل کر
کام کریں گے۔

قیدی:۔ ہرگز نہیں! ہمیں سواراج کی ضرورت ہے۔" امداد
باہمی" نہیں چاہیئے۔ یہ بھی کوئی تحریک ہے۔ یہ سرکاری
محکمہ ہے۔ اس میں سرکاری آدمی شامل ہیں۔ اور وہی
اس کے کرتا دھرتا ہیں۔ ہم تو عدم تعاون کے حامی ہیں۔
ہمیں" امداد باہمی" کا بھول کر بھی نام نہیں لینا چاہیئے۔
لوگ کیا کہیں گے۔

داس بابو:۔ مجھے لوگوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ مَیں تو
سچے دل سے دیش کی سیوا کروں گا۔ جس کا جی چاہے
میرے پیچھے ہو لے۔ اگر ہم لوگ ہی بات بات میں
لوگوں کے جذبات اور خیالات کا خیال رکھنا شروع

کر دیں تو سمجھو ہمیں انہی کے پیچھے چلنا چاہیئے۔ محکمہ صفائی کتنا اہم سرکاری محکمہ ہے۔ اگر عدم تعاون کے حامی لوگ سرکار کی بات بات میں مخالفت پر تل جائیں تو سمجھو کیوں کر گزر ہو۔ ہاں اس محکمہ کے لوگ اگر بازار میں کوڑا کرکٹ صاف کریں۔ تو اس لحاظ سے ہمیں فوراً کوڑا کرکٹ بکھیر دینا چاہیئے۔ اگر یہ لوگ پلیگ کے انسداد کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ بھلا یہ تو بتاؤ آج تک کانگریس کے بڑے بڑے کارکن اور خود مہاتما گاندھی جی ریل میں سوار ہو کر اِدھر سے اُدھر کیوں گھومتے پھرتے ہیں ہمیں اس صورت میں تو پیدل چلنا چاہیئے۔ موٹریں بھی سب ویسی ہونی چاہئیں۔

قیدی :۔ اچھا! خوب سمجھ گیا۔ شاید تم معافی مانگنے والے ہو۔

واس بابو خاموش ہو گیا۔ وہ دو تین ہفتے تک ایک ایک سے اسی قسم کی باتیں کرتا۔ مگر سب کانوں پر ہاتھ دھرتے ہر ایک قیدی اُس سے بدگمان ہو رہا تھا۔ دو ماہ میں چھ سو آدمیوں میں سے صرف پانچ آدمی اُس کے

ہم خیال ہوئے ✦

آج پھر کالی باڑی کے اندر باہر عورتوں کی بھیڑ ہو رہی تھی۔ وہ جوق در جوق ادھر آ رہی تھیں۔ اس قدر ہجوم تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ سوشیلا بھی آج پھر اُسی طرح تھالی سجائے تھی۔ اُسی طرح کالی ماتا کے سامنے آ کر جھکی اور پھر ہاتھ جوڑ کر بولی:-

"ہے کالی ماتا! تیری جے، میرے بابو پھر گھر آ گئے۔ میری سُنی گئی۔ میں تیرے کتنے گُن گاؤں۔ تجھ پر کتنے پھول چڑھاؤں۔ تجھ پر کتنی بار قربان ہوں۔ تیرے احسانوں کا میرے کندھوں پر اتنا بوجھ ہو گیا ہے۔ کہ اُٹھا نہیں سکتی۔ میری زبان تیرا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔ اگر میرے جسم کے ایک ایک رونگٹے کو زبان لگ جائے۔ تو بھی تیری کرپا کا گیت نہیں گا سکتی۔ کالی ماتا! پھر آؤنگی پھر تجھے پرنام کرنے آؤں گی۔ کالی ماتا تیری جے!"

یہ کہتے ہوئے پھر اُسی طرح سوشیلا گھر واپس پہنچی

واس بابو گھر میں موجود تھے۔ منترا چھ سال کی بڑی ہوشیار لڑکی تھی چھوٹا لڑکا دو سال کا تھا۔ واس بابو منترا کو دیکھتا اور دل میں کہتا کیسی اچھی لڑکی ہے۔ اس کی چمکدار آنکھیں بڑی بڑی پلکیں، سُرخ نازک ہونٹ تیکھی چتون۔ فراخ پیشانی، موزوں قد، آہ! ہاتھ پاؤں، سب ماں کی طرح ہیں۔ کل کو اسے بیاہنا ہے۔ افسوس میں نے اپنے بچوں پر بھی رحم نہیں کیا۔ یہ کیا کہتے ہوں گے۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ منترا بولی :-

"پتا جی! آپ کہاں گئے ہوئے تھے، جیل یاترا کو؟ ہمیں بھی لے چلو"

"نہ بچی تمہارے دشمن جائیں۔ وہاں تو چور ڈاکو جایا کرتے ہیں"

"تم نے کون سی چوری کی تھی؟"

(مسکرا کر) "ایک خزانہ چرایا تھا"

(حیران ہو کر) "وہ کہاں ہے۔ ہمیں دکھاؤ۔ وہ کیا ہوتا ہے؟"

"پیاری منترا! میں نے ہزاروں روپے اور اشرفیاں

چرائی تھیں۔"

"وہ کہاں ہے؟ تو مجھے سُرخ ریشمی ساڑھی لادو۔ چوڑیاں لادو۔ کانوں کے لئے بالیاں لادو۔ آہ! مجھے سمترا سہیلی کا سا ہار چاہئے۔ میرے پاس سلیپر نہیں۔"

(آبدیدہ ہو کر) "بیٹی! وہ روپے نہ کسی کو دکھائی دیتے ہیں۔ نہ کام آتے ہیں۔ اب میں تمہارے پاس آگیا ہوں۔ سب چیزیں لا دوں گا۔ کوئی فکر نہ کرو۔"

"پتاجی! ماتاجی ہمیں تمہاری باتیں روز سُنایا کرتی تھیں۔ اور رویا کرتی تھیں۔ ہم اُسے چپ کرایا کرتے تھے۔ کیوں تم ہم سے روٹھ کر چلے گئے تھے؟"

(ہاتھوں کا بوسہ لیتے ہوئے) "نہیں بیٹی۔"

(۶)

شہر کلکتہ کے ایک بارونق حصہ میں ایک دودھ باڑی ہے۔ صبح شام ہر روز یہاں سے ہزاروں من دودھ گھروں اور دکانوں پہ پہنچایا جاتا ہے۔ بیل گاڑیاں۔ گھوڑا گاڑیاں اور موٹر لاریوں کا ایک تانتا سا لگا رہتا ہے۔ گھر گھر ہر ایک



کی زبان پر دودھ باڑی کی تعریف ہے۔ شہر کے بوڑھے بچے اور عورتیں سب اسی جگہ کا دودھ پیتے ہیں۔ ہر روز سینکڑوں لوگ سروں پر دودھ کے برتن اُٹھائے یہاں سے نکلتے ہیں۔ یہی معلوم ہوتا ہے۔گویا اندر دودھ کے تالاب بھرے ہیں۔ یا دودھ بنایا جاتا ہے۔ حساب کتاب رکھنے کے لئے درجنوں منشی کام کرتے ہیں۔ ایک سادہ مگر صاف سُتھرے کمرہ میں بڑی چوڑی میز پر ایک کھدر پوش نوجوان لکھ رہا ہے۔ سامنے ٹیلیفون پڑا ہے۔

"ٹن ٹن ٹن ...."

(ٹیلیفون کو منہ لگا کر) "ہیلو! کون صاحب؟"

"آہا! آئیے، ہاں میں ہی داس ہوں۔ آپ تشریف لائیے۔ میں انتظار کروں گا۔"

داس نے فون بند کر دیا۔ مگر آنکھوں کے سامنے وہی جیل کا نقشہ پھر گیا۔ وہی تیرہ و تاریک کوٹھری، وہی مچھر، وہی سرد اور گیلی زمین، وہی گرمی، وہی سردی، داس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جیل کے سیاسی قیدیوں کے چہرے ایک ایک کر کے دکھائی

دینے لگے۔ وہ آج دودھ باڑی کا سالانہ بجٹ بنا رہا تھا۔ مگر اس واقعہ نے اُسے کچھ دیر کے لئے پریشان کر دیا۔ اتنے میں چپراسی نے یہ ملاقاتی کارڈ پیش کیا۔ اور واس نے اندر بلانے کے لئے اشارہ کیا:۔

"مسٹر سی۔ آر۔ گپتا۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی
بیرسٹرایٹ لاء۔ ہائی کورٹ۔ کلکتہ"

(کھڑے ہو کر) "آہا! آیئے!"

"واہ! آپ نے تو کمال کر دیا ہے۔ واقعی دودھ باڑی سے کلکتہ میں دودھ کا سیلاب آگیا ہے۔ میری آنکھوں نے آج تک یہ منظر نہ دیکھا تھا۔ میں تمہاری کامیابی پر مبارک باد دیتا ہوں"

(مسکرا کر) "نوازش! یہ تو آپ کا حُسن ظن ہے۔ ورنہ میں تو اب شہر کا گوالیہ بن گیا ہوں"

"ہاں! ایسا گوالیہ بھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ کارڈ بغیر کوئی اندر داخل ہی نہیں ہونے دیتا۔ جناب کیا کہنا کیا شان ہے۔ آخر آپ جیت گئے۔ جو باتیں اخباروں میں پڑھا کرتے تھے۔ آج آنکھوں سے دیکھ لیں۔

کیوں نہ ہوتا آپ تو اس کے جیل میں خواب دیکھا کرتے تھے
کاش ہم اُس وقت آپ کی بات مان لیتے ۔ ہمیں کبھی
وہم و گمان بھی نہ تھا ۔ کہ امداد باہمی میں در حقیقت
اس قدر قوت ہے "

"(مسکراتے ہوئے) جناب! یہ امداد باہمی کا ادنےٰ
کرشمہ ہے "

"اگر یہ تحریک اس سرعت سے جاری رہی تو یقیناً
چند سال میں سب پرائیویٹ لین دین بند ہو جائے گا ۔
کلکتہ کے پُر رونق بازاروں کی بجائے خوش نما باغیچے
نظر آئیں گے "

"میں کچھ نہیں کہ سکتا ، ہاں اگر لوگ اس بات کو
سمجھ لیں ۔ تو کیا کچھ نہیں ہو سکتا ۔ اور میرا تو ایمان
ہے جب تک لوگ خود ضرورت محسوس نہ کریں وہ
کچھ نہیں کر سکتے ۔ شاید اگر میں بھی آپ کی طرح بیرسٹر
ہوتا تو اس طرف متوجہ نہ ہوتا ۔ قومی ضروریات سے
پیشتر میرے ذاتی حالات ایسے ہو گئے تھے ۔ کہ میں
قومی سرگرمیوں کے ساتھ خود بھی پیٹ پالوں ۔ اور

دوسروں کا بھی پالوں۔ اس دودھ کی برکت سے آج کلکتہ میں سینکڑوں لوگوں کا روزگار کھل گیا ہے۔ لوگ بھی خالص صاف اور ستھرا دودھ پی کر دعائیں دیتے ہیں"

"میرے دوست واس! میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر آپ لوگ اور کچھ بھی نہ کریں۔ تو صرف اس بہت بڑے کارخانے کا چلانا ہی بہت بڑی قومی خدمت ہے۔ ہندوستانی اور بالخصوص اہل بنگال خالص دودھ کے نہ میسر آنے سے روز بروز اپنی صحت سے ہاتھ دھو رہے ہیں۔ دودھ جہاں جسمانی طور پر مفید ہے وہاں یہ دماغی قوت کے لئے بھی ضروری ہے۔ قوم حصول سواراج کے بعد دودھ کی محتاج رہے گی۔ کل آپ کی دودھ باڑی کا بار لوگوں میں ذکر آیا۔ تو ڈاکٹر بینرجی کہتے تھے کہ ایک سیر دودھ میں تین پاؤ گوشت کی طاقت ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اسے خاص طریقہ سے پیا جائے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم لوگ اتنی تیز آنچ سے دودھ گرم کرتے ہیں کہ اس کی طاقت کا

جوہر جل جاتا ہے۔ اگر یہ پچاس درجہ حرارت سے گرم کیا جائے تو وہ جوہر ضائع نہیں ہونے پاتا"

"ہماری سوسائٹی نے یہ انتظام کیا ہے کہ شہر کے ہر حصے میں لوگوں کو دودھ پینے کے طریقوں سے باخبر کیا جائے۔ اس کے لئے یہ ابھی زیر غور ہے۔ کہ لوگوں کو سمجھانے کے لئے کون سے ذرائع استعمال کئے جائیں۔ ایک یہ تجویز ہے۔ کہ جگہ جگہ سینما فلم سے اس کا پرچار کیا جائے"

"یہی بہترین طریق ہے۔ بشرطیکہ ساتھ زبانی بھی سمجھایا جائے۔ ہاں میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ کہ آپ نے سوسائٹی کس طرح بنائی ہے۔ آپ دودھ کہاں سے لیتے ہیں؟"

"کلکتہ کی دودھ پارٹی دو جماعتوں پر مشتمل ہے۔ ایک دیہاتی . . . . . . جہاں دودھ پیدا کیا جاتا ہے اور دوسرے یہ "ملک یونین" (دودھ پارٹی)"

"کیا دیہاتی آپ کی "ملک یونین" کا حصہ ہیں"

"ہاں تقریباً پچاس گاؤں میں علیحدہ علیحدہ دودھ

کی انجمنیں ہیں اور ان کے دو اڑھائی ہزار ممبر ہیں" بلک یونین "سب گاؤں سے دودھ منگاتی ہے۔ اور انہیں بیچتی ہے۔ (گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے) ابھی گیارہ بجے کی گاڑی میں دودھ آرہا ہے۔"

"اس سے بہت فائدہ ہوتا ہوگا۔ آپ دودھ کی صفائی کی کیوں کر دیکھ بھال کرتے ہیں؟"

"ہمارے انسپکٹر وغیرہ آئے دن ہر جگہ دودھ اور مویشیوں کا معائنہ کرتے پھرتے ہیں۔ اور ایسے سرکاری ڈاکٹر بھی ہیں۔ جو اکثر ان انجمنوں کے مویشیوں کا مفت علاج بھی کر آتے ہیں۔ دودھ باڑیوں کی صفائی۔ برتنوں کی صفائی اور عام لوگوں کا رہنے سہنے کا طریقہ ان کی نگاہوں میں رہتا ہے۔ اب تو لوگ بھی خود سمجھ گئے ہیں۔ وہی وقت جو وہ اکثر دودھ کی فروخت میں صرف کر دیا کرتے تھے۔ اب صفائی وغیرہ میں صرف کرتے ہیں۔ پہلے یہ لوگ اکیلے شہروں میں دودھ بیچنے آیا کرتے تھے۔ دُکان دار پیسے والے ہوتے ہیں۔ وہ اُن سے سیدھے منہ بات نہ کرتے تھے۔"

"اگر آپ کے پاس ضرورت سے زیادہ دودھ جمع ہو جائے تو کیا کرتے ہیں۔ آج کل بارش کا موسم ہے دودھ کثرت سے آ رہا ہے۔"

"اس کا انتظام بھی ہم نے کر لیا ہے۔ ہمارے یہاں ایک ایسی کل ہے جس میں پانچ چھ ماہ تک دودھ جمع رہ سکتا ہے۔ اور میں بھول گیا۔ آؤ میں آپ کو دودھ گرم رکھنے کا بائلر دکھاؤں۔"

یہ کہتے ہی داس بابو اٹھا اور اس کے ساتھ ہی ان کا مہمان اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں نے دودھ باڑی کی ایک ایک چیز دیکھی۔ مسٹر گپتا حیران تھے کہ یہ کتنا بڑا سلسلہ ہے۔



(۷)

چت پور روڈ کی ایک عظیم الشان عمارت کے پر تکلف کمرہ میں داس بابو ٹہل رہے تھے۔ اور سوشیلا ایک ناول پڑھ رہی تھی۔ مترا اپنے بھائی سے کھیل رہی تھی۔ داس بابو اس سوچ میں تھا کہ "امداد باہمی"

کے متعلق کلکتہ کے عوام میں کیونکر اشاعت کرے۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ کسی صورت اس کے لئے کانگرس پلیٹ فارم استعمال کرے۔ مگر موجودہ صورت میں یہ ناممکن تھا۔ کانگرس بحیثیت جماعت کسی صورت میں "امداد باہمی" کی اشاعت اپنے ذمے نہ لے سکتی تھی۔ بہرحال جیل سے چار سال بعد جو کچھ بھی اُس نے یا اُس کے تین چار دوستوں نے عملی طور پر کیا انفرادی حیثیت رکھتا تھا۔ اب وہ اس فکر میں تھا کہ کسی نہ کسی طرح وہ ایسے لوگوں سے مل کر کام کرے۔ جن پر لوگوں کو اعتماد ہو۔ وہ خود بہت بارسوخ تھا لیکن کلکتہ جیسے بڑے شہر میں ایک دو آدمیوں کی اتنی آواز نہ ہو سکتی تھی۔

سوشیلا:۔ .... بابوجی! یہ کیسا شور ہے۔

داس:۔ ہاں! دیکھوں۔

دونوں بھاگ کر کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے۔ دونوں بچے بھی پیچھے بھاگے گئے۔

سوشیلا:۔

داس:۔ آہا! یہ تو ہڑتالیوں کا جلوس آ رہا ہے۔"

سوشیلا:۔ یہ کون لوگ ہیں۔

واس:۔ کارخانوں کے مزدور۔

سوشیلا:۔ انہیں کیا ہو گیا ہے۔ اتنے بے چین کیوں ہو رہے ہیں۔ وہ سُرخ جھنڈوں پر کیا لکھا ہے۔ یہ کیا نعرے لگاتے ہیں . . . .

"مزدور کی جے! مزدور کی جے!"

سوشیلا:۔ توبہ! بابو جی اے لو یہ آ گئے۔ مجھے ان سے ڈر لگ رہا ہے۔ کتنے دیوانے ہو رہے ہیں۔ گھروں کو آگ نہ لگا دیں۔

مترا:۔ پتا جی! ہائے مجھے چھپا لو۔

واس:۔ نہ بیٹا! یہ ہمارے اپنے آدمی ہیں۔

چھوٹا لڑکا:۔ اچھا . . . .

واس:۔ ہاں!

مترا:۔ آہا! ہمارے آدمی ہیں۔ یہ کیا کہتے ہیں۔ مزدور کی جے! مہاتما جی کی جے کیوں نہیں بولتے۔

چھوٹا:۔ "مہاتما گاندھی کی جے!"

واس:۔ (سوشیلا کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کر) سوشیلا!

تم دیکھتی ہو۔ یہ کون ہیں۔ دیکھتے ہیں یہ ہزاروں آدمی ہیں۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنے۔ ننگے سر اور ننگے پاؤں ہیں۔ مگر امیر اور دولت مند لوگ، کارخانوں کے مالک سرمایہ دار انہیں ایک آدمی سمجھتے ہیں۔ اُن کی نگاہوں میں یہ ایک ایسا دیو ہے۔ جس کی ہزاروں آنکھیں، ہزاروں سر، ہزاروں ٹانگیں، اور ہزاروں ہاتھ ہیں۔ جس کی "جے" کا نعرہ آسمان ہلا دیتا ہے۔ جس کی ایک چیخ قیامت ہے"

سوشیلا:۔ اوئی! ایسا دیو کبھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ یہ دیو اگر ہاتھ سے نکل جائے تو چت پور روڈ کیا کلکتہ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے "جے" کی گرج سے کلیجہ دہل جاتا ہے۔ بابو جی چک کے اندر ہی رہو تمہیں دیکھ پائیں گے تو ساتھ ہی لے جائیں گے۔ تمہیں سب لوگ جانتے ہیں۔

مترا:۔ بابو جی! مجھے دیکھنے دو۔ یہ کیا کہتے ہیں۔

داس:۔ بچارے روٹی مانگتے ہیں۔

چھوٹا:۔ میں روٹی لا دیتا ہوں۔

داس :۔ یہ کپڑے مانگتے ہیں ۔
مترا:۔ اپنے سب کپڑے دوں گی ۔
داس:۔ یہ گھر مانگتے ہیں ۔
مترا:۔ اوئی! ہمارے گھر میں اتنے آدمیوں کے لئے جگہ نہیں ہے ۔

جلوس نصف سے زیادہ گزر گیا تھا۔ مگر اب بھی وہی جوش تھا۔ جلوس کے لوگ کارخانہ والوں اور سرمایہ داروں کو گالیاں دیتے تھے ۔ اور مزدوروں کے گیت گاتے تھے سب ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی ۔ چمار۔ بنگالی۔ پنجابی ۔ مدراسی۔ مارواڑی ۔ چینی ۔ جاپانی ۔ فرنگی ۔ برمی ۔ پوربی ۔ پٹھان مزدور تھے ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا دُنیا بھر کی مزدور سبھا کے لئے نمائندے آئے ہیں ۔ داس بابو کا خیال تھا کہ اگر یہ دیو اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور ایک نظام کے ماتحت ہو، تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے کسی کام میں شکست ہو۔ کاش انہیں امداد باہمی کا کوئی پیغام دے ۔ کاش انہیں امداد باہمی کے ذریعے اچھے مکان دلوائے ۔ کاش انہیں امداد باہمی ہی کے ذریعہ تعلیم دے ۔

سوشیلا:- بابو جی! انہیں اپنی طاقت کی خبر نہیں - یہ نہیں جانتے کہ ہم کیا ہیں؟ کیا تم انہیں قابو کر سکتے ہو؟ تم کیوں نہیں امداد باہمی کا سبق دیتے؟ یہ اپنی ہزارہا تکالیف کا علاج خود کر سکتے ہیں - اگر ان کی پولیس سے مڈ بھیڑ ہو گئی - تو بس بچارے دس بیس مارے جائیں گے -

داس:- یہ دیو بندوق سے قابو نہیں آ سکتا - اسے پیار محبت سے قابو کیا جا سکتا ہے - اور وہ امداد باہمی ہے -

جلوس دور چلا گیا - اور نعروں کی آواز ابھی برابر آ رہی تھی - داس بابو اور سوشیلا اندر کمرے میں آ گئے - دونوں بچے کھڑکی میں کھڑے بازار کی چہل پہل دیکھتے رہے - کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے - آخر سوشیلا بولی:-

"بابو جی! کیا یہ لوگ قابل رحم نہیں ہیں؟"

"کیوں نہیں؟"

"تو پھر تم نے ابھی تک اِن کے لئے کیوں نہیں کچھ کیا؟"

"کیا کروں - جاہل ہیں - کوئی بات نہیں سمجھتے - اگر مزدور لیڈر چاہیں تو بہت کچھ ہو سکتا ہے"

"کیا وہ ہڑتالیں کراتے ہیں"

"ہاں وہ اسی فکر میں رہتے ہیں۔ کہ کس طرح ہڑتال کرائی جائے۔ مگر عملی طور پہ ان کی تعلیم کے لئے کچھ نہیں کرتے"

"قرضخواہ انہیں ہر وقت تنگ رکھتے ہیں۔ اکثر بچارے تنخواہ والے دن ہی ساہوکاروں اور دُکان داروں کو سب روپیہ دے آتے ہیں۔ اور تیسرے دن انکی جیب میں ایک کوڑی تک نہیں رہتی"

"انہیں کفائت شعاری سکھائی جائے۔"

"وہ کون سکھائے۔ میں دیکھتی ہوں کہ ان کے گھر والیاں بھی اس بات کا فکر نہیں کرتیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہڑتال کے موقع پہ یہ لوگ زیادہ دیر تک ہڑتال نہیں جاری رکھ سکتے۔ مزدور سبھا انہیں ہڑتال کے دنوں میں تنخواہیں دیا کرتی ہے۔ مگر جوں ہی انہوں نے ہاتھ روکا ادھر فاقے آنے لگے۔ بابو جی پرمیشر انہیں کفائیت شعاری کی عادت ڈالے"

"میں نے اس معاملہ پہ بہت غور کیا ہے۔ اگر یہ امداد

باہمی کی لڑی میں پروئے جائیں، تو مجھے یقین ہے یہ اپنے مطالبات ہر وقت منوا سکتے ہیں۔ بنگال مچھلیوں کا گھر ہے۔ مگر غریب مچھلی والے ہمیشہ تنگ دست رہا کرتے تھے۔ بچارے سرمایہ داروں کے ہاتھوں بکے ہوئے تھے انہوں نے اپنی محنت اور مشقت اسے بیچی ہوئی تھی۔ گویا وہ اُن کے غلام ہیں۔ لیکن اب نقشہ ہی بدل گیا ہے۔"

"وہ کیوں کر؟"

"بس یہی امداد باہمی کی ساٹھ سوسائٹیاں بن گئی ہیں اور اُن کے دو ہزار کے قریب ممبر بن چکے ہیں۔ ان کے پاس ساٹھ ستر ہزار روپیہ جمع ہے۔ جب کسی کو قرض کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنے حلقہ کی انجمن سے قرض لے کر گزارہ کر لیتا ہے۔"

"اگر وہ اس قرض کی شراب اُڑا لے؟"

"سوسائٹی کے دوسرے ممبر جن کی ضمانت پر وہ قرض لیتا ہے وہ اُسے ایسا نہیں کرنے دیتے، اور اگر وہ ایسا کرے تو پنچائیت میں ایسی درگت ہوتی ہے۔ کہ

خُدا بچائے ۔ اور اکثر ایسے فضول خرچ لوگوں کو برادری سے نکال دیا جاتا ہے ۔ یہ امداد باہمی کی سوسائٹیاں ہیں ۔ جن کی برکت سے آج بنگال میں ہزاروں لوگ ملیں گے جو پہلے قلاش اور مُفلس ہونے کے باوجود سخت شرابخور بدچلن اور فضول خرچ ہوا کرتے تھے ۔"

"یہ ایک بہت بڑی خدمت ہے ، اور اگر اس میں کانگرس میں کام کرنے والے شریک ہو جائیں ۔ تو یقیناً قوم اور مُلک کی سُنی جائے ۔"

"اب تو یہ کوشش ہو رہی ہے کہ کسی طرح ماہی گیروں کی تمام انجمنوں کا ایک ہی یونین سے الحاق کر دیا جائے ۔ اور ساتھ ہی سرکار سے مچھلیاں پکڑنے کا مستقل ٹھیکہ لیا جائے ۔ پھر وہ لوگ جو اب پیسہ کے زور سے ٹھیکے لے لیتے ہیں کچھ نہ کر سکیں گے ۔"

"وہ لوگ اب بھی بہت جلتے ہوں گے ۔"

"ہاں اگر ہزاروں آدمیوں کے لئے چند ایک کو نقصان پہنچے ، تو کیا مضائقہ ہے ۔ وہ بڑی خوشی سے جلیں ۔"

"بابوجی ! یہاں کے جلاہوں کا تو ماہی گیروں سے

بھی بہت بُرا حال ہے۔ اُن کے لئے امداد باہمی نے کیا کیا ہے۔"

"بافندوں میں بھی بیداری کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اس وقت تک انہوں نے بھی دو سو انجمنیں بنا رکھی ہیں۔"

"خوب! کتنے بافندے شامل ہوئے ہیں؟"

"پیاری سوشیلا! تین ہزار بافندے شریک ہو چکے ہیں۔ اور ان کے پاس دو لاکھ کے قریب ایسا روپیہ ہے جو کاروبار میں کام آ رہا ہے۔"

"کیا یہ انجمنیں انفرادی طور پر علیحدہ علیحدہ کام کرتی ہیں؟"

"ہاں مگر اب اکثر انجمنوں نے بنگال کی انڈسٹریل کوآپریٹو یونین سے الحاق کر دیا ہے۔ اور اس کا یہ فائدہ ہوا ہے۔ کہ وہی بافندے جو گھر گھر کپڑا اُٹھائے جایا کرتے تھے۔ اب آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ خود یونین ہی ان کے لئے روئی خریدتی ہے۔ اور یونین ہی بہت اچھے داموں ان کا بنا ہوا مال فروخت کرتی ہے، اس کے

علاوہ ابھی ابھی ایک بافندگی کی یونین قائم ہوئی ہے۔ جو یہی کام کرتی ہے۔ یہاں بیکاروں کو کام دیا جاتا ہے۔ اور ممبروں نے بڑی سرگرمی کا اظہار کیا ہے"

"کیا؟"

"ہاں! وہی یونین، اب تو وہاں کھڈیاں بھاپ سے چلائی جاتی ہیں۔ اور پچاس نوجوان۔ بیس لڑکے اور کئی عورتیں کام کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ پچھتر دیسی کھڈیاں جن پر کسان لوگ کام کرتے ہیں۔

---

(۸)

سوشیلا دریائے ہگلی کے کنارے ٹہل رہی تھی۔ آج وہ اکیلی تھی۔ اُس کا بوٹا سا قد، ہرن کی سی آنکھیں۔ چاند سا چہرہ۔ ایک ہی سانچے میں ڈھلا ہوا بدن۔ کاسنی ساڑھی دیکھنے والوں کی نظروں میں قیامت خیز تھا۔ جو اُسے ایک بار دیکھ پاتا دوسری بار پھر مڑ کر ضرور دیکھتا۔ یہ وہ حسن تھا۔ جس نے داس بابو جیسے نوجوان شکیل کے دل پہ قبضہ جما رکھا تھا۔ دونوں کے دل میں ایک

دوسرے کی محبت تھی۔ دونوں کے دل میں ایک دوسرے
کی عزت تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے متوالے تھے
سوشیلا آج دن بھر اُداس رہی۔

کلکتہ گرل مڈل سکول جہاں وہ اب ہیڈ مسٹرس
ہو گئی تھی۔ گرمی کی تعطیلوں کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔
وہ اکثر داس بابو کو سیاسی کاموں کے ساتھ گھر بار کے
مصارف کے بندوبست کے لئے آئے دن اس لئے مشورہ
نہیں دیتی۔ کہ خود اُس کی ذات کو کوئی تکلیف دیتی تھی۔
بلکہ وہ چاہتی تھی۔ کہ بابو جی بنگالی اور ہندوستانی سیاسی
رہنماؤں اور کارکنوں کو اپنے طرزِ عمل سے یہ دکھا دیں
کہ سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ وہ کس طرح
ایسا کاروبار کر سکتے ہیں۔ جس میں سب کا بھلا ہو سکتا
ہے۔ تحریک امداد باہمی میں شامل ہونے سے سوشیلا
کے لئے ایک نئی راہ کھل گئی تھی۔ وہ شب و روز اس
فکر میں رہتی تھی۔ کہ خود کیونکر اپنے خاوند سے اس کام
میں بڑھ سکتی ہے۔ وہ مدت سے محسوس کر رہی تھی
کہ ہم لوگ اور بالخصوص کارخانوں میں کام کرنے والے

کتنے تنگ و تاریک گھروں میں رہتے ہیں۔ اور اس کیوجہ سے کتنی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ کتنی چاند سی خوبصورت لڑکیاں بیوہ ہو جاتی ہیں۔ کتنے ننھے بچے پھولوں کیطرح مُرجھا جاتے ہیں۔ کلکتہ جیسے شہر میں معمولی مکانوں کا کرایہ کس قدر بڑھ گیا ہے۔ اس کا علاج کیوں کر ہو؟ اتنے میں اُس کا چہرہ سُرخی سے چمکنے لگا۔ گردن بلند ہو گئی اور اُس کی نظریں کبھی نیلے سمندر کی لہروں میں ناچتیں کبھی کشتیوں کے بادبانوں میں لپٹتیں۔ کبھی دخانی آگن بوٹوں سے تیز دوڑنے لگتیں۔ اُفق کی سُرخی سے سُرخ ہوتیں۔ اور کبھی کنارے پر بکھری ہوئی کوڑیوں۔ پتھروں میں کھیلنے لگتیں۔ مگر اس کے دل کی گہرائیوں میں بحرِ خیالات موجزن تھا۔ کہ اتنے میں اُس کے بازو پر کسی نے ہاتھ رکھا۔

"آہا! سوشیلا! دیکھو میں تمہیں کیسے ڈھونڈھ لیتی ہوں۔ حیران کیوں ہو گئیں؟ کیوں؟ کس فکر میں تھیں؟ آؤ ٹہلیں"

"زبیدہ! تم کہاں، تم بھی اکیلی، تمہارا برقعہ کہاں گیا؟"

"قربان جاؤں۔ کیسی اچھی ساڑھی اتنی چکا چوند کہ دیکھی نہیں جاتی۔ سیٹھ صاحب کہاں ہیں؟"

"میں تو انہیں گھر چھوڑ آئی ہوں۔ تمہارے بابو جی کہاں ہیں۔ کیا تم بھی اکیلی آئی ہو؟"

"ہاں یوں ہی دیوانہ وار آ گئی۔ بچارے حیران ہوتے ہوں گے چڑیا کہاں اُڑ گئی؟"

"بہن سوشیلا! بہت اچھا کیا۔ میں نے آج آپ سے مشورہ کرنا ہے۔ یہ تو بتاؤ۔ ہمیں اچھے گھر کیونکر نصیب ہو سکتے ہیں۔ سیٹھ جی سے میں نے اس کے متعلق کئی بار تذکرہ کیا۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ ایک انجمن تعمیر مکانات امداد باہمی بنائی جائے؟"

"یہی مترا کے پتا جی کہتے ہیں۔ مگر وہ بھی اس بارے کچھ نہیں کرتے؟"

"میں ہمشیرہ شکیلہ کو ملنے بمبئی گئی تھی۔ وہاں جب اس کے متعلق بات چیت ہوئی۔ تو انہوں نے مجھے بتایا تھا۔ وہاں لوگ کس طرح مکان بنا رہے ہیں؟"

"آہا! کیا تم مجھے بتاؤ گی، تم نے اُس کے متعلق کیا

سُنا ہے۔"

"پیاری سوشیلا کیوں نہ سُناؤں گی۔ بمبئی تو کلکتہ کی طرح گنجان آباد ہے۔ مگر بچارے غریبوں کی کچھ نہ پوچھو یہی سمجھو موئے چوہوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ غریبوں کی اتنی پسلی کہاں کہ اتنے بڑے شہر میں خود زمین خرید لیں لوگ مدت سے دُکھی تھے۔ خدا بھلا کرے رائے بہادر تلمنکی کا، سُنا ہے بمبئی کے بڑے زندہ دل اور رحم دل انسان ہیں۔ خدا نے اُن کے دل میں بات ڈال دی کہ کسی نہ کسی طرح غریبوں اور متوسط الحال لوگوں کے لئے مکان مہیا کئے جائیں۔ سمجھو تو وہی اس تحریک کے بانی مبانی ہوئے اور ان ہی کے دم قدم ہندوستان بھر میں سب سے پہلی کواپریٹو ہوسنگ سوسائٹی (انجمن امداد باہمی مکانات) جاری کی گئی"

"اس انجمن کا کیا نام ہے؟"

"(باہیں ڈالے ہوئے) پیاری سوشیلا، یہ نام میری زبان پر ہے۔ ہاں" سرسوست ہوسنگ سوسائٹی بمبئی" اس کو دس سال ہوئے ہیں باقاعدہ رجسٹری ہوئی۔ یہ سوسائٹی

خالص مشترکہ کرایہ دارانہ طریق پہ چلتی ہے۔ اسی قسم کی کئی اور انجمنیں بھی ہیں۔"

"اچھا تو مکانوں کا کون مالک ہوتا ہے۔"

"ہر ایک مکان کی مالک سوسائٹی ہوتی ہے۔ اور وہ صرف ممبروں کو کرایہ پہ دیتی ہیں۔"

(ساڑھی سے کھیلتی ہوئی) پیاری زبیدہ، مکانوں کی تعمیر کے لئے کرایہ کہاں سے آتا ہے۔"

(جوش میں) میرا تو ایمان ہے جب چار آدمی مل بیٹھتے ہیں۔ تو روپیہ خود پیدا ہو جاتا ہے۔"

"زبیدہ! سچ کہتی ہو۔ پھر بھی۔"

"ہر ایک ممبر کو پہلے مکان کی تعمیر کے تخمینے کا ایک چوتھائی حصہ پہلے ادا کرنا ہوتا ہے۔"

"اور باقی کہاں سے آتا ہے؟"

"باقی روپیہ لوگوں یا سرکار سے قرض لیا جاتا ہے۔ چنانچہ حکومت بمبئی نے باقی ماندہ تین چوتھائی روپیہ ساڑھے پانچ یا چھ فی صدی سینکڑہ سالانہ سود کے حساب سے قرض دیدیا کرتی ہے۔"

"پھر یہ روپیہ کس طرح وصول کیا جاتا ہے؟"

"ممبروں کو مکان کرایہ پر دیئے جاتے ہیں۔ اور کرایہ کی شرح اتنی تھوڑی ہوتی ہے کہ پچیس تیس سال کے اندر وہ خود گھروں کے مالک ہو جاتے ہیں۔"

"پیاری زبیدہ! مجھے یہ پسند نہیں ہے۔ کیا ایسی سبھا بھی وہاں قائم ہے۔ جو ممبروں کو مکان بنا کر دے دے اور خود مالک نہ ہو، ممبر قسطوں میں ساری لاگت آہستہ آہستہ ادا کر دے؟"

"میں نے سنا ہے کہ ایسی سبھائیں بھی وہاں موجود ہیں۔ اور میرے خیال میں متوسط الحال لوگوں کے لئے وہ اچھی ہیں۔ یہ سبھا ایک قسم کی ادھار سبھا ہے جو لوگوں کو مکان بنانے کے لئے روپیہ دیتی ہے۔"

"اور اگر کوئی قسطیں ادا نہ کرے؟"

"تو عدالت میں دعوے دائر کر کے اُس مکان پر سبھا اپنا قبضہ جما سکتی ہے۔ اس قسم کی "گھر سبھا" ایک طرح کی چھوٹی سی میونسپل کمیٹی ہوتی ہے۔ جو اپنی حدود میں صفائی روشنی تعلیم کے علاوہ ممبروں سے قرض بھی وصول کرتی

ہے۔ سُنا ہے لاہور کی ماڈل ٹاؤن سوسائٹی بھی اسی قسم کی سبھا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ آئندہ سال لاہور جب جائیں تو ماڈل ٹاؤن ضرور دیکھیں ‘‘

(۹)

آج سہ پہر ٹاؤن ہال کے اندر باہر تماشائیوں کا ہجوم ہو رہا تھا۔ اور ابھی لوگ جوق در جوق آ رہے تھے۔ اخبارات کے نمائندے آج وقت سے پہلے ہی اپنی مخصوص نشستوں پر آ بیٹھے تھے۔ ٹاؤن ہال کے گھڑیال نے اپنی لوہے کی زبان سے چار بجائے تو کارپوریشن کے ممبر صاحبان آنے شروع ہوئے۔ تماشائیوں میں سے سفید پوش لوگ جو خال خال دکھائی دیتے وہ انہیں سلام کرتے مگر دوسری طرف سے گندے میلے اور بدبودار کپڑوں والے ”بھنگی کی جے“ ”مہتر کی جے“ کا نعرہ لگاتے۔ یہ شہر بھر کے بھنگی تھے۔ جنہوں نے اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے ہڑتال کا اعلان کر دیا تھا۔ اور ٹاؤن ہال کے گرد آج بھکاری بن کر نہ آئے تھے۔ بلکہ چنگیز خانی جلال میں آئے تھے۔ کیا مجال کہ کوئی ممبر بھی اُن سے نہ آنکھیں

دو چار کرتا، آج ہر ایک ممبر کا کلیجہ دہک کر رہا تھا، اور ٹاؤن ہال کے در و دیوار پر لرزہ طاری تھا۔ ہال کے پُر غرور گنبد نے بھی آج اپنی گردن جُھکا دی تھی۔

جب سب ممبر اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو پورے چار بجے جلسہ شروع ہوا۔ اور صاحب صدر نے یوں تقریر شروع کی:۔

حضرات!

"آج کا دن تاریخ بلدیہ میں نہایت اہم ہے یہ پہلا دن ہے۔ جب جمہور کی بظاہر پست ترین جماعت نے ٹاؤن ہال پر یورش کی ہے۔ ہم نے ان کے مطالبات پر بہت غور کیا ہے۔ مگر اُن میں کوئی ایسا مطالبہ نہیں ہے جسے قابل غور سمجھا جائے۔ بہرحال آج ہم نے اس پر غور کرنا ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ ہمیں ہڑتالیوں کے نعرے مرعوب نہ کر سکیں گے۔ میری خواہش ہے کہ اس معاملہ پر بحث کی جائے۔"

صاحب صدر کرسئ صدارت پر بیٹھ گئے۔ اور ایجنڈا پر

اس مضمون کی تجویز پڑھی :-

"کلکتہ کارپوریشن کے جملہ خاکروبان کی ودھنگی سبھا" کی طرف سے درخواست ہے کہ اُن کے اقتصادی حالات کو مدنظر رکھ کر دُگنی تنخواہیں دی جایا کریں۔

دوسرے ہمیں کارپوریشن کا کوئی ملازم یا افسر ناجائز تنگ نہ کرے اور نہ ہی ہم سے کوئی رشوت لیا کرے۔

تیسرے ہمیں رہنے کے لئے سرکاری مکان دیئے جائیں۔

چوتھے ہمارے بچوں سے کوئی چھوت چھات نہ رکھی جائے۔"

مسٹر بنیرجی :- صاحب صدر! میری رائے میں اب یہ معاملہ زیر بحث ہے۔ اُنہیں کوئی بھی ایسا مطالبہ نہیں ہے جس پر غور کیا جائے۔

مسٹر چیٹرجی :- میں مسٹر بنیرجی کی تائید کرتا ہوں۔

داس بابو :- میں اس کی بزور مخالفت کرتا ہوں۔

صاحب صدر :- (گھبرا کر) کون تائید کرتے ہیں؟

سیٹھ ہارون:- میں تائید کرتا ہوں۔

صاحب صدر:- مسٹر بینرجی! کیا آپ کچھ فرمانا چاہتے ہیں۔

مسٹر بینرجی:- صاحب صدر! میں مطلقاً ضرورت نہیں سمجھتا تھا کہ میں اس موضوع پر تقریر کروں۔ بہرحال میں صرف اتنا عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے مہتروں کی تنخواہوں میں اس قدر اضافہ کیا، تو کل کو سارا عملہ ہمارے آرام میں خلل انداز ہوگا۔

صاحب صدر:- میری یہ خواہش تھی کہ بغیر کسی قسم کی بحث کے "یونین" کے مطالبات نامنظور کر دیئے جائیں۔

داس بابو:- صاحب صدر! گستاخی معاف، آپ کو یہ حق نہیں ہے کہ آپ کونسل پر اپنی رائے کا اظہار کریں۔

یونین کے نمائندوں اور عوام کے چہروں پر خوشی کی جھلک نمودار تھی۔

صاحب صدر:- اچھا آپ تقریر کریں۔

داس بابو:- آپ کا یہ خیال کہ اگر ہڑتالیوں کے مطالبات منظور کر لئے گئے تو ٹاؤن ہال کی دیواریں متزلزل ہو جائینگی

بالکل قرینِ قیاس نہیں ہے۔ آہ! اگر آج آپ صدقِ دل سے
جمہور کے اس قابلِ تعظیم عنصر کی عزت کریں گے۔ تو میں
دعوے سے کہتا ہوں۔ آپ کی شہرت۔ عزت پر چار چاند لگ
جائیں گے۔ اے عیش و عشرت کی نیند سونے والو! تمہیں
کیا معلوم کہ بچارے کیونکر گزر کرتے ہیں۔ تمہیں کیا معلوم
کہ یہاں کے رفیع الشان قصرات کے سایہ میں وہ لوگ بھی
ہیں جن کے نیچے رات بھوکے سوتے ہیں۔ . . . . .
صاحب صدر۔ دلائل سے کام لیا جائے، جذبات پر تازیانہ
کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
واس بالو۔ آہ! میں جانتا ہوں کہ یہاں کی اکثریت سنگ دل
واقع ہوئی ہے۔ لیکن بحیثیت شہری میرا حق ہے کہ میں ہر
طریق سے ان لوگوں کی ترجمانی کروں، اور اگر آپ نے آج
ان کے مطالبات تسلیم نہ کئے تو یہ تمہاری سب سے زبردست
شکست ہوگی۔ کل کی بات ہے کہ کونسل کی رائے تھی۔ کہ ان
لوگوں پر بلدیہ کے اہلکار سب سے زیادہ مظالم توڑتے ہیں
ہم نے اس پر بھی آنکھیں بند کر لی ہیں۔ کیا وہ لوگ جنہیں
دس بارہ روپے ماہوار سے زیادہ تنخواہ نہیں ملتی کس طرح

اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالیں ۔ کاش ، ایسا انقلاب برپا ہو کہ تم اُن کی جگہ سڑکوں پہ کھڑے ہو ۔ اور وہ اس کونسل میں ہر جگہ پہ متمکن ہوں ، اور پھر میں آپ سے پوچھوں سُناؤ آٹے دال کا کیا بھاؤ ہے ۔

اس کے بعد ایک دو اور تقریریں ہوئیں ۔ اور کئی ایک ترامیم پیش ہوئیں ۔ ایک ایک مطالبہ پہ رائے لی گئی ستر ممبروں میں سے پینتالیس نے مطالبات کے خلاف ووٹ دیا ۔ اور باقی نے اس کے حق میں ۔ اور اجلاس برخاست ہو گیا ۔ ممبران نے ہال سے نکلنے سے پہلے ہی مجمع میں جو اب سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا ۔ یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ اُن کے مطالبات کا کیا حشر ہوا ہے اور کس کس نے اُن کا ساتھ دیا ہے ۔ اب ممبر ایک ایک کر کے نکلنے شروع ہوئے ، صاحب صدر سے لے کر اُن تمام ممبروں پہ ایک ایک کر کے " شرم شرم " کے آوازے کسے گئے ۔ جو آج اُن کے خلاف رہے تھے ۔ داس بابو کے باہر نکلتے ہی مجمع میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ۔ اُس کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے ۔ ایک گاڑی میں بٹھایا گیا ۔ اور ہزاروں بوڑھے جوان

اُسے کھینچتے ہوئے چت پور روڈ پر لے گئے ،

داس بابو کا چہرہ خوشی سے سُرخ ہو رہا تھا۔ مگر اُس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ یہ کام بھی میرے ہاتھوں ہو گا۔ سب سے پہلے ان کی یونین مضبوط کی جائے۔ ان میں دس ہزار جوان اور بوڑھے ایسے ہیں۔ جو کام کر سکتے ہیں۔ لیبر یونین بے شک ہنگامہ برپا کر سکتی ہے۔ مگر جوں ہی آندھی طوفان ختم ہوا اسکا نشان تک نہیں رہتا۔ اس کے برعکس "کوآپریٹو سوسائٹی" قرضہ دیتی ہے۔ کام دلواتی ہے۔ رہنے کو مکان دیتی ہے۔ اناج کپڑا اور دیگر ضروریات زندگی بہت سستے داموں مہیا کر سکتی

جوں ہی داس بابو کا گھر آیا۔ اور گاڑی وہاں رُک گئی۔ برآمدوں میں بیوی بچے کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وہ پھولوں سے لدے ہوئے بابو جی کو دیکھ کر بہت اُچھلے ہزارہا بھنگیوں نے بابو جی کو برآمدے میں کھڑا دیکھ کر "داس بابو کی جے" کے اتنے زور سے نعرے بلند کئے کہ سارا شہر کانپ اُٹھا۔ تھوڑی دیر بعد مجمع یوں منتشر ہو گیا جیسے سیاہ بادلوں کو تیز ہوا اُڑا لے جاتی ہے۔

بازاروں میں موٹروں، ٹراموے وغیرہ کا اُسی طرح تانتا لگا ہوا تھا، لیکن مجمع منتشر ہونے کے بعد یہاں طوفان کے بعد کی سی خاموشی طاری ہو گئی، اور پھر سکوت کو موجوں کے ہلکے ہلکے تھپیڑوں کی بجائے یہی گاڑیوں کی کھڑکھڑاہٹ موٹروں کی سرسراہٹ اور ہنڈ بچہ کی آواز توڑنے لگی۔

"بابوجی! مبارک ہو، آج تو تم دولھا بن کر آئے ہو"

"اری دلہن! یہ اُن لوگوں نے دولھا بنایا ہے۔ جو خلقت کے روندے ہوئے ہیں۔ تو یہ! ہمارے شہر کے رؤسا اور اُمرا اس جماعت سے کتنے متنفر ہیں"۔

مترا:۔ بابوجی! آج انہیں کیا ملا ہے۔ جو یہ لوگ اتنے خوش ہیں"

داس بابو:۔ ملا تو کچھ نہیں، صرف میں نے ان کے حق میں آج تقریر کی ہے"!

نیتھا:۔ تو کیا انہیں روٹی نہیں ملی"؟

مترا:۔ کیا انہیں مکان نہیں ملے۔ کیا انہیں اچھے کپڑے نہیں ملے۔

داس بابو:۔ ملا تو کچھ نہیں مگر انہیں امید ہو گئی ہے۔

اُسے کھینچتے ہوئے چت پور روڈ پر لے گئے ۔

داس بابو کا چہرہ خوشی سے سُرخ ہو رہا تھا۔ مگر اُس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ یہ کام بھی میرے ہاتھوں ہوگا۔ سب سے پہلے ان کی یونین مضبوط کی جائے۔ ان میں دس ہزار جوان اور بوڑھے ایسے ہیں۔ جو کام کر سکتے ہیں۔ لیبر یونین بے شک ہنگامہ برپا کر سکتی ہے۔ مگر جوں ہی آندھی طوفان ختم ہوا اسکا نشان تک نہیں رہتا۔ اس کے برعکس "کواپریٹو سوسائٹی" قرضہ دیتی ہے۔ کام دلواتی ہے۔ رہنے کو مکان دیتی ہے۔ اناج کپڑا اور دیگر ضروریات زندگی بہت سستے داموں مہیا کر سکتی

جوں ہی داس بابو کا گھر آیا۔ اور گاڑی وہاں رُک گئی۔ برآمدوں میں بیوی بچے کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وہ پھولوں سے لدے ہوئے بابو جی کو دیکھ کر بہت اُچھلے ہزار ہا بھنگیوں نے بابو جی کو برآمدے میں کھڑا دیکھ کر "داس بابو کی جے" کے اتنے زور سے نعرے بلند کئے کہ سارا شہر کانپ اُٹھا۔ تھوڑی دیر بعد مجمع یوں منتشر ہو گیا جیسے سیاہ بادلوں کو تیز ہوا اُڑا لے جاتی ہے ۔

بازاروں میں موٹروں، ٹراموے وغیرہ کا اُسی طرح تانتا
لگا ہوا تھا، لیکن مجمع منتشر ہونے کے بعد یہاں طوفان کے
بعد کی سی خاموشی طاری ہو گئی، اور مہر سکوت کو موجوں
کے ہلکے ہلکے تھپیڑوں کی بجائے بس گاڑیوں کی کھڑکھڑاہٹ
موٹروں کی سرسراہٹ اور ہٹو بچو کی آواز توڑنے لگی۔

"بابوجی! مبارک ہو، آج تو تم دولھا بن کر آئے ہو۔"

"اری دلہن! یہ اُن لوگوں نے دولھا بنایا ہے۔ جو
خلقت سے روندے ہوئے ہیں۔ توبہ! ہمارے شہر کے
رؤسا اور اُمرا اس جماعت سے کتنے متنفر ہیں۔"

متترا:- بابوجی! آج انہیں کیا ملا ہے۔ جو یہ لوگ اتنے
خوش ہیں؟"

داس بابو:- ملا تو کچھ نہیں، صرف میں نے ان کے حق
میں آج تقریر کی ہے۔"

ننھا:- تو کیا انہیں روٹی نہیں ملی؟"

متترا:- کیا انہیں مکان نہیں ملے۔ کیا انہیں اچھے کپڑے
نہیں ملے۔

داس بابو:- ملا تو کچھ نہیں مگر انہیں امید ہو گئی ہے۔

کہ وہ ضرور کچھ لے کر رہیں گے ۔
"بابو جی! پھر اگر انہیں آپ کچھ دلوا نہیں سکے تو آپ نے ان کے لئے کیا سوچا ہے۔"
واس بابو:۔ میرا ارادہ ہے کہ میں ان لوگوں کی خوب مضبوط یونین بنا دوں۔ اور اس کے ساتھ ہی اُن کی محلہ دار امداد باہمی کی سوسائیٹیاں بنا دوں۔ بے شک یہ کارپوریشن سے اپنے حقوق مانگیں گے ۔مگر اس کے ساتھ ہی خود بھی مضبوط ہو جائیں گے ۔
سوشیلا:۔ یہ کام میں ہی کر دوں گی ۔
مترا:۔ اس سے اور مبارک کام کیا ہو سکتا ہے ۔

---

(۱۰)

اِدھر رات اور دن گلے مل رہے تھے، اور اُدھر دو محبت کے متوالے پُل پر ٹہل رہے تھے، ہلکی ہوا کے سرد جھونکے دونوں کو چھُوتے ہوئے جا رہے تھے۔ افق پر تاریکی چھا گئی، آسمان پر تارے جھلملانے لگے، بندرگاہ کی روشنیاں چمکنے لگیں۔ چاند دور اُفق پر سمندر سے اُبھرا۔ لہریں بغلگیر

ہونے کے لئے تڑپنے لگیں۔

"آہا! عجب منظر ہے، ہوا کے جھونکے دم نہیں لینے دیتے میری ساڑھی اُڑے جا رہی ہے۔"

"آج اسے بھی چھوڑ دو۔ یہ بھی سیر کرے۔"

"واہ!"

"آج ساڑھی کو قید سے آزاد کر دو۔ یہ بھی لہروں میں نہائے، ہوا میں کھیلے اور چاند سے چمٹے۔"

"خوب!"

"تارے آزاد ہیں، چاند آزاد ہے، موجیں آزاد ہیں، ہوا آزاد ہے، مچھلیاں آزاد ہیں، زمین و آسمان سب آزاد ہیں، مگر ہم انسان ہزاروں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔"

"یہ غلط ہے۔"

"کیوں؟"

"چاند سورج کا محتاج، موجیں چاند کی محتاج، مچھلیاں پانی کی محتاج ہیں۔ اور زمین سورج کی محتاج ہے۔ ان میں کون ہے۔ جس کی اکیلے گذر ہو سکتی ہے۔ دنیا اور اس

کے چاند سورج، زمین آسمان سب ایک ہی مالا کے دانے ہیں۔ ایک ہی باغ کے پھول ہیں۔ ایک ہی پھول کی خوشبو ہیں ایک ہی نور کی شعاعیں ہیں۔"

"بے شک!

"یہ سب پرندے، تارے، چاند، سورج انسان کی خوشی کے لئے ہیں۔ یہ نیلگوں سمندر، آہا! وہ نیلگوں آسمان اسی کی خاطر ہے۔ یہ سب جیسے اسی کے لئے ہیں۔"

"آہا! آسمان کے نیلے فرش پر تارے یوں نہیں بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ دن رات، صبح شام اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔"

"یہی حال دنیا کے ہر آدمی اور ہر جماعت کا ہے۔ آپ کی امداد باہمی بھی ایک قدرتی تحریک ہے۔ جس کی ہر بات میں برکت ہے۔ کیوں سچ کہتی ہوں۔ دیکھو اُفق پر روشنی نمودار ہو رہی ہے، واہ! یہ زیادہ ہو گئی ....

"جہاز آ رہا ہے۔"

"وہی جہاز جس کے ہم منتظر ہیں۔"

"شاید وہی جہاز"

"روشنی تیز رفتاری سے اس طرف بڑھ رہی ہے۔"

"ابھی جہاز کافی دور ہے، خدا کرے یہی ہمارا جہاز ہو۔"

"آہا! وہی جہاز ہوگا۔ خوب مال و اسباب سے لدا ہوگا۔ ریشمی ساڑھیاں، ریشمی رومال بچوں کیلئے کھلونے، صابن، تولیے تیل، خوشبوئیں۔ واہ! سب کچھ ہوگا۔"

"نئے قسم کے ہل۔ پانی نکالنے کی کلیں اور پمپ، اسی میں ہوں گے۔"

"خوبصورت آئینے، نازک چوڑیاں، پوڈر کی ڈبیاں کریم کی شیشیاں بھی ضرور ہوں گی۔"

"دودھ دھونے کے آلات، دودھ بلونے کی کلیں، موٹر لاریاں اور صاف رکھنے کی ادویات بھی آرہی ہیں۔"

"واہ! کن چیزوں کا نام لے رہے ہو۔ انہیں کون لے گا۔ نازک گرگابیاں، عمدہ جھالریں۔ فیتے اور لیس منگائی ہوتیں۔"

"فصلیں کاٹنے کی کلیں۔ بیج بکھیرنے کی کلیں۔ کپڑا بننے کی کلیں، انڈوں سے بچے نکالنے کی کلیں۔"

"سب ایسی کلیں؟ افسوس، کپڑے پر پھول نکالنے کی

بھی کوئی مشین منگائی ہوتی ۔"

" ایسی بہت مشینیں منگائی ہیں !"

"واہ! واہ!! وہ جہاز نزدیک آگیا۔ اس کا اگلا حصہ دکھائی دے رہا ہے۔ اوہو! لوگوں کی کتنی بھیڑ ہو رہی ہے سب کی اسی جہاز پر نظریں ہیں۔

جوں جوں یہ جہاز نزدیک آرہا تھا۔ بندرگاہ پر بھیڑ بڑھ رہی تھی۔ یہ کلکتہ کی امداد باہمی کی کئی ایک متحدہ انجمنوں کا تیسرا جہاز تھا۔ اور تین دن ہوئے اس کے متعلق سوداگروں کے کسی نمائندے نے یہ افواہ اڑا دی تھی کہ "یونین" جہاز ڈوب گیا ہے، اور اس کے مال و اسباب میں سے ایک تنکا بھی نہیں بچا، اس خبر نے لوگوں کو اتنا پریشان کر رکھا تھا کہ وہ آج بندرگاہ پر ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو رہے تھے، جب انہوں نے اسے اپنی آنکھوں سے آتے دیکھ لیا۔ تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ یہ وہ لوگ تھے جو یا تو خود امداد باہمی کی انجمنوں کے ممبر تھے۔ یا جنہیں تحریک امداد باہمی سے دلچسپی تھی۔

اتنے میں کسی نے سوشیلا کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور اس نے مڑ کر دیکھا تو ریشمی برقعہ پہنے خاتون تھی پہلے تو سوشیلا گھبرائی

لیکن ذرا سوچ کر بولی :-

"آہا! زبیدہ! آج تم کہاں ؟

"تمہیں مبارک باد دینے آئی ہوں۔"

"شکر ہے جہاز آگیا۔"

"اللہ قسم مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب ہمارے سیٹھ جی کے ایک ہی دن تین جہاز سمندر میں ڈوب گئے تھے اور سیٹھ جی جیل میں تھے۔"

اسی اثنا میں سیٹھ ابراہیم سوشیلا کے خاوند کو ذرا دُور لے گئے اور باتیں کرنے لگے :-

"داس بابو جی! اگر خدانخواستہ جہاز ڈوب جاتا تو کیا ہوتا"

"کیا ہوتا تھا۔ سب کو یکساں نقصان ہوتا تھا۔ کسی صورت میں تباہی نہ ہوسکتی تھی۔ ہاں اگر ایک آدمی پر اتنے نقصان کا پہاڑ گر پڑے تو خیر نہیں رہتی۔"

"یہ درست ہے۔ میں تمہارے سامنے زندہ تصویر ہوں۔ تم ہی نے مجھے زندوں میں شامل کیا۔ ورنہ جیل کے دنوں میں میرے تین جہاز غرق ہوگئے اور ساتھ ہی میرا نصیبہ بھی غرق ہوگیا۔ اگر میں جیل سے نکلنے کے بعد تمہارے ساتھ شامل ہوکر کام نہ کرتا

تو شاید وہی حالت رہتی۔ اے لو مسٹر گپتا بھی تشریف لے آئے"
گپتا:۔ آہا! آپ لوگ آج یہاں کیوں جمع ہیں۔
"ہمارا جہاز بندرگاہ میں داخل ہو گیا ہے"
"مبارک ہو"
سیٹھ صاحب:۔ اللہ کا بڑا احسان ہوا۔
مسٹر گپتا:۔ اب تو تم لوگوں کے وارے نیارے ہو گئے، مگر دوسرے سوداگروں کے ہاں آج ماتم کی صف بچھ گئی ہو گی۔
داس:۔ ابھی نہیں۔ ذرا نو۔ دس سال تک ٹھیریئے۔ پھر دیکھنا! ابھی تو یہ لوگ ہم پر پھبتیاں اُڑاتے ہیں۔
سیٹھ:۔ نہیں اب تو مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب یہ ہم میں شامل ہو جائیں گے۔
گپتا:۔ جہاز میں کیا کیا سامان ہے۔
سیٹھ:۔ ہر ایک طرح کا سامان ہے، زراعت، دستکاری وغیرہ کی چیزوں کے علاوہ عوام کیلئے بھی چیزیں موجود ہیں یہ مال ہمارے کواپریٹو سٹور میں ہر وقت موجود رہتا ہے باقی سامان تو امداد باہمی کی جان ہے،
گپتا:۔ واقعی یہ امداد باہمی ہی کی منظم جماعت ہے کہ ہزاروں آدمیوں کے پلنے کے علاوہ لوگ بازار سے مقابلتاً ہر چیز سستی حاصل کریں گے

سیٹھ :- یہ سمجھ لو۔ کہ جو چیز بازار میں تین آنے پر ملتی ہے، ہمارے یہاں سے دو آنے کو خرید لیں۔ ایک آدھ کی اتنی ہمت نہیں ہو سکتی، کہ خرید و فروخت میں تھوک فروشی جاری رکھ سکے۔ امداد باہمی کے ذریعہ کروڑوں روپوں کا بیوپار ہو سکتا ہے۔

گپتا :- بہت بڑی قومی خدمت ہے۔ سیٹھ جی کیا آپ ابھی تک کانگرس کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں ؟

سیٹھ صاحب :- کیوں نہیں! میں کانگرس کا خادم ہوں۔ اُسی طرح جلسوں میں جاتا ہوں۔ تقریر بھی کرتا ہوں . . . . "

داس بابو :- ہیر سر صاحب! امداد باہمی میں شریک ہونے سے سیاسی تعلقات منقطع نہیں ہوتے آپ جو چاہیں کریں۔ میں نے اُس دن بھی آپ سے عرض کیا تھا کہ یہ اتنا سرکاری محکمہ نہیں ہے۔ کہ ہمارے دست و بازو جکڑ لئے جائیں۔ جو چاہو کرو،

سیٹھ صاحب :- یہ محکمہ تو صرف لوگوں کی مالی حالت

درست کرنے کے لئے ہے۔

مسٹر گپتا:۔ اچھا! تو کیا یہ جہاز کا مال و اسباب آپ لوگوں میں مفت تقسیم کریں گے۔

داس بابو:۔ وہ کیوں، لوگوں کو سستے داموں دینگے اور جو منافع ہوگا اُسے آپس میں تقسیم کریں گے۔ اس جہاز میں کوئی ایک سوسائٹی کا تھوڑا ہی مال آرہا، سمجھو تو بنگال کی سوسائٹیوں کی ضروریات کے متعلق اس میں سامان بھرا ہے۔

مسٹر گپتا:۔ کیا یہ محکمہ امداد باہمی کا جہاز ہے۔

سیٹھ:۔ ہاں۔

مسٹر گپتا:۔ کیا آپ نے اسے یہاں سے خالی بھیجا تھا۔

داس:۔ نہیں خام اشیاء سے بھر کر بھیجا تھا۔ اناج کے علاوہ چمڑہ۔ ہڈیاں۔ مصالحہ۔ سن وغیرہ بھیجے تھے۔

مسٹر گپتا:۔ وہ کن لوگوں کا سامان تھا۔

داس:۔ خود امداد باہمی کے ممبروں کا! ہم میں ابھی بڑے بڑے آدمی شامل نہیں ہوئے۔ بچارے ایسے متوسط الحال لوگوں کا سامان تھا۔ جو اکیلے کوئی کاروبار نہیں کر سکتے،

اور اکثر انہیں اپنا اناج وغیرہ تھوک خریداروں کے ہاتھ بہت سستے داموں لٹانا پڑتا ہے۔

گپتا:۔ گویا آپ کی کواپریٹو سوسائٹیاں جہاں لوگوں کو قرض دلواتی ہیں۔ اچھا دودھ پلاتی ہیں۔ وہاں اتنے بڑے پیمانہ پر تجارت بھی کرتی ہیں۔

سیٹھ:۔ یہ اتفاق کی برکت ہے۔

داس بابو:۔ اس میں کیا شک ہے۔



(۱۱)

دریائے ہگلی پر خلقت کا اتنا ہجوم تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ سانولی سلونی، نازک بدن۔ کامنی مورت، عورتوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ سانچے میں ڈھلے دبلے پتلے بدنوں پر رنگ رنگ کی دھوتیاں اُن کے حسن کو دوبالا کرتی تھیں۔ ہاتھوں میں پھولوں۔ سندھور۔ ناریل کیلوں سے بھری ہوئی چمکدار تھالیاں اُٹھائے دریا کے کنارے بیٹھ جاتیں۔ اور تھالی کی ایک ایک چیز گنگا میں بہا دیتیں۔ پھر دریا میں خراماں قدم

رکھتے رکھتے جب نازک کمر تک ڈوب جائیں۔ تو چلو میں
پانی لے کر سورج دیوتا کی طرف اچھالتیں۔ زرد رو سورج
انہیں دیکھ کر مسکراتا۔ پھر یہ پانی میں غوطہ زن ہوتیں،
اور نہا کر دوبارہ سورج دیوتا کی طرف منہ کئے ہوئے
آنکھیں بند کئے ہوئے ہاتھ جوڑے کھڑی رہتیں۔ اور
کچھ دیر تک بڑبڑاتیں، اور پھر کنارے تک واپس آجاتیں
بھوکے ننگوں کو دان دیتیں۔ اسی طرح ہزار ہا پریوں کے
غول کے غول آتے اور چلے جاتے۔ یہی معلوم ہوتا تھا گویا
بنگال کا حسن آج گنگا کنارے سمٹ آیا ہے۔ بھوک ننگوں
غریبوں۔ سادھوں۔ سنتوں اور ننھی ننھی مچھلیوں کی آج
خوب بن آئی تھی۔

اس دریائے حسن میں دو اور موتی بہے جا رہے تھے
جنہیں ہماری نظروں نے پہلے بھی دیکھا تھا۔ دونوں
خوبصورت تھیں۔ دونوں نازک تھیں۔ دونوں ایک
ہی سانچے کی ڈھلی تھیں۔ دونوں کا ایک ہی قد۔ دونوں
نے چڑھاوے کی تھالیاں اٹھائی تھیں۔ دونوں ننگے
پاؤں تھیں۔ دونوں نے دریا میں پھول چڑھائے۔ دونوں

نے ناریل بہائے، دونوں نے غوطے لگائے، اور ہاتھ جوڑ کر سورج کو دیکھ کر آنکھیں بند کر دیں۔ دونوں کی آنکھوں میں چمک تھی۔ مگر ایک میں کم دوسری میں زیادہ۔ ایک ماں تھی دوسری بیٹی، ماں نے ہاتھ جوڑے ہوئے یہ پرارتھنا کی:-

"ہے...... گنگا ماتا، ہے... سورج بھگوان ہے دیوتا...... ہے کالی ماتا......... ہے پرمیشر، ہے...... ہری...... جے ہو۔ دنیا پہ کالی رات چھائی ہے۔ ہر ایک دوسرے کو کھائے جاتا ہے۔ بھوکے ننگوں کا کیونکر علاج ہو۔ امداد باہمی نے بھی ان کیلئے کچھ نہیں کیا آج سارا جگ خوشیاں منا رہا ہے۔ اور یہ بھیک مانگ رہا ہے۔

ہے سورج بھگوان! تو کتنا انصاف والا ہے۔ تیری سنہری شعاعیں سب پہ پڑتی ہیں۔ ہے......... ہم لوگ ظالم ہیں۔ ہمیں نے انہیں اتنا نیچا کیا ہے۔

ہے.............. پرماتما تیرے سب بندے ہیں۔ تو سب کا ان داتا ہے۔ مگر یہ

کیا ہے؟ ایک وہ ہیں۔ جو سکھ کی نیند سوتے ہیں۔ ایک وہ ہیں۔ جن کے چھوٹے بچے رات بھر بلبلاتے ہیں۔ جنہیں نہ پہننے کو کپڑا نصیب نہ سونے کو بستر میسر۔ آہ! دنیا کے روندے ہوئے۔ کتوں سے بدتر۔ کیوں کر بسر کرتے ہیں۔

ہے . . . . . . پرمیشر! تو مجھ میں اننت شکتی پیدا کر دے۔ کہ میں ان کا بول بالا کر سکوں۔"

بیٹی بھی ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ اور یہ پرارتھنا کر رہی تھی:۔

"ہے سورج دیوتا۔ آج تیرے سامنے سارا جگ جھک رہا ہے، تو کتنا اچھا ہے۔ تیری کرنوں سے لپٹنے کو جی چاہتا ہے، کاش! تیری کرنیں میرے دل کی گہرائیوں تک پہنچتیں، کاش! میں تیرے آگے اپنا سینہ چاک کر کے رکھ دیتی۔ ہے سورج دیوتا، میرے دل کی باتیں تو ہی جانتا ہے . . . . تو تب ہے، جب سے یہ گنگا بہ رہی ہے۔ تیری کرنوں نے کتنی لڑکوں کو پیار کیا ہے۔ کتنوں کو حوصلہ دیا ہے۔ ہے . . .

کالی ماتا، ہے گنگا جی تیری جے"
دریا کے قریب گھاس کے فرش پر ناریل کے درختوں کی اوٹ میں بے شمار لوگوں کا مجمع ہو رہا تھا۔ درمیان ایک چبوترے پر چند کھدر پوش مرد بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک اٹھا، اور سب پر خاموشی طاری ہو گئی، یہ ایک دُبلا پتلا کمزور انسان تھا، مگر آنکھوں میں چمک تھی۔ جس نے ہر ایک آدمی کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا تھا۔ وہ اتنی آہستہ آواز سے بولا کہ شروع میں سوائے بہت نزدیک بیٹھے ہوئے لوگوں کے کسی نے نہ سُنا۔

آج اُس پوتر جل سے جو صدیوں سے بہہ رہا ہے۔ ہم اشنان کر چکے ہیں۔ ہم کہا کرتے ہیں کہ یہ اونچے پہاڑوں کے چشموں اور برف کے تودوں سے آتا ہے۔ یہ ماتمی رنگ کے ان سیاہ بادلوں کے آنسو ہیں، جو ہمالہ کی چوٹیوں کو چومتے ہوئے روتے ہیں، اور وہیں برف ہو جاتے ہیں۔ پھر سورج دیوتا گھور کر دیکھتے ہیں۔ تو وہ برف پھر جاگ اُٹھتی ہے۔ اور پانی

بن کر آریہ ورش کو آباد کرتی چلی آتی ہے۔ آہ!
پھر بھی اس دیش کے لاکھوں انسان، لاکھوں
عورتیں بھوکی سوتی ہیں،
آہ! ہماری دیویوں کی آنکھوں کے گرد سیاہ
حلقے اُن کے دلوں کی تصویر ہیں۔ وہ ہماری
بے کسی کا فوٹو ہیں۔ وہ ہماری عزت کا نقشہ
ہیں۔
آہ! عزت کا یہ نشان گنگا کا پوتر جل نہیں مٹا
سکا۔ کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ کیوں کر اُن
لوگوں کو آزاد کرا سکتے ہیں۔ جو قرض خواہوں
کے پنجہ میں گرفتار ہیں۔ جو اُن کی زمینیں
ہضم کئے جا رہے ہیں۔ جو اُن کا خون چوس
رہے ہیں۔ جانتے ہو یہ کون لوگ ہیں۔ یہ ہم
لوگ ہیں جو دفتروں میں ملازم ہیں۔ جو کارخانوں
میں دن بھر کام کرتے ہیں۔ جو سڑکیں صاف
کرتے ہیں۔ جو فوج کے گھوڑوں کی لید اٹھاتے
ہیں۔ جو چھوٹے دُکان دار ہیں۔ جاگو! ہوش

سنبھالو! آنکھیں کھولو! سورج بہت چڑھ آیا
ہے۔ دنیا جاگ رہی ہے۔ ہمت۔ اتفاق اور
پریم کی ہواؤں نے، غربت وتنگ دستی کے
سیاہ بادلوں کو ہٹا دیا ہے۔ سرکار سے لڑو
جھگڑو۔ اپنے حقوق مانگو! جو چاہے کرو۔ مگر
اپنی طرف بھی دیکھو۔ تین سال ہوئے جو شہر
کے مہتروں نے ناکام ہڑتال کی تھی، آج
کامیاب ہو گئے ہیں۔ آج اُن کی سب شرطیں
مانی گئیں۔ اور وہ دن دور نہیں جب ہم میں
اُن سے کوئی چھوت نہیں کرے گا۔ تم جانتے
ہو وہ کون سی چیز ہے جس نے انہیں اتنا
باعزت بنا دیا ہے۔ کہ میں انہیں اپنے برتنوں
میں کھانا کھلا سکتا ہوں۔ جانتے ہو یہ کیا
نسخہ ہے۔ جانتے ہو یہ کون سا جادو ہے جو
کلکتہ کے خاکروبوں پہ چل گیا ہے۔ آج
انہیں "دغا وا روڑے ساہوکار" (سرحدی
پٹھان ساہوکار) تنگ نہیں کرتے۔ آج لال

پگیا و الاؤ بالا پتلا سا ہو کار اُن کا خون نہیں چُوستا، آج کوئی سیٹھ، کوئی سوداگر انہیں سودا دیتے دہوکا نہیں دے سکتا، آج وہ ایسے حلوائی کی دُکان پر نہیں جاتے جو انہیں پہلے کتوں کی طرح پیچھے ہٹایا کرتا تھا۔ آج انہیں مغرور و بد دماغ مالک مکان انہیں ذلیل نہیں کرتا، آج وہ خود مالک مکان ہیں اگر اب بھی شہر کا کوئی شخص آرام و آسائش سے محروم رہے تو یہ اُس کا اپنا قصور ہے۔"

اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ مگر ہر کان۔ ہر آنکھ اسی طرف لگی تھی۔

"ہاں بتاؤ۔ کیوں نہیں بتاتے۔ کون سی چیز ہے جس نے انہیں سماج میں اونچا کر دیا ہے"؟

ایک آواز :- امداد باہمی!

تقریر کرنے والے نے مڑکر پیچھے دیکھا تو یہ اُس کا سات سالہ لڑکا تھا۔

"ہاں! میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ اگر تمہارے پاس روپیہ ہے تو اُسے کواپریٹو سنٹرل بنک میں جمع کر دو۔ اگر تم فضول خرچی سے بچنا چاہتے ہو۔ تو تمہارے گھروں میں امداد باہمی کی صندوقچیاں پہنچ جائیں گی۔ اُن میں اپنا روپیہ جمع کرتے رہا کرو۔ جب وہ بھر جائیں۔ تو محلہ کے کواپریٹو بنک میں روپیہ جمع کرا دو۔ یہاں تمہیں سود ملے گا۔ امداد باہمی والے تم سے کوئی چندہ نہیں مانگتے۔ کوئی دان نہیں مانگتے، کوئی خیرات نہیں مانگتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم اپنا روپیہ اپنے پاس جمع کرو۔ اور اپنے لئے صرف کرو۔

"کلکتہ کی دودھ باڑی امداد باہمی کی کامیابی کی زندہ مثال ہے۔ سمجھو تو یہ کلکتہ کی ایسی بھینس ہے جو دس لاکھ شہری بوڑھوں۔ جوانوں اور بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ دھرم سے بتاؤ اس بھینس سے پہلے تمہیں کیسا دودھ ملا کرتا تھا (بالکل

خراب) اب کیسا دودھ پیتے ہو (بہت اچھا)
بس سمجھ لو، جیسی امداد باہمی کی یہ بھینس تمہاری
ملکیت ہے۔ ویسے تمہارے مکان اور گھر بار ہو
سکتے ہیں۔
بیمہ کمپنیاں کلکتہ میں آتی ہیں۔ جیسے برساتی
کیڑے آئے دن بیمہ کمپنیوں کے جھگڑے ہوتے
رہتے ہیں۔ میری خواہش ہے۔ کہ اہل بنگال ایک
کواپریٹو بیمہ کمپنی جاری کریں۔ اور لوگ جان و
مال کے علاوہ مویشی اور فصلوں تک بیمہ کرائیں
آہ! سیلاب کی طغیانی نے کتنی فصلیں، کتنے مکان
تباہ کر دیئے ہیں۔ اگر سویٹزرلینڈ، ڈنمارک، جرمنی
کی طرح یہاں بھی لوگوں نے ہر ایک چیز کا
بیمہ کرایا ہوتا تو ہمیں اتنی مصیبت نہ اٹھانی
پڑتی۔ لنڈن میں کلکتہ سے زیادہ تعداد میں
لوگ حادثات کی وجہ سے جانیں گنواتے ہیں
مگر وہاں کسی مزدور کے مرنے پر وارثوں کو
اتنا غم نہیں جتنا یہاں، اس کی وجہ ہے کہ جہاں

جو آدمی بھی مرتا ہے۔ تو اپنے لواحقین کے لئے ہزاروں روپے بیمہ کمپنی سے ملنے کا انتظام ہو جاتا ہے۔ جاپان میں چند سال ہوئے کس قدر زلزلہ آیا تھا۔ مگر ہزاروں لوگوں نے دوسرے سال پھر اُسی شان سے بیوپار شروع کر دیا۔ اُس کی وجہ یہ تھی۔ کہ انہوں نے اپنا بیمہ کرایا ہوا تھا۔

میرے پیارے بھائیو! اب وہ کمپنی بہادر کا زمانہ گیا۔ جب بنگالی بابو کی قدر ہوتی تھی۔ اب تو ملک میں تعلیمیافتہ لوگ قلیوں سے زیادہ سستے مل جاتے ہیں۔ کاش امداد باہمی کے جھنڈے تلے ملک کے وہ نوجوان جو بیکار گھوم رہے ہیں زمینداری کیوں نہیں شروع کر دیتے، آو، اسی میں سوراج ہے۔ اور یہ سب سے بڑا سوراج ہے۔"

مقرر بیٹھ گیا تو پھر لوگوں نے بلند آواز سے کہا:-

"بولو داس بابو کی جے"

"بولو کانگرس کی جے"

"بولو امداد باہمی کی جے"

جلسہ ختم ہو گیا۔ لوگ منتشر ہوئے اور گھروں کی طرف روانہ ہو گئے، دو بنگالی بابو جو کانگرسی کمیٹی کے مشہور ممبر تھے۔ آپس میں یہ باتیں کئے جا رہے تھے :۔

"واہ! داس بابو نے کمال کر دکھایا ہے۔"

"لوگ امداد باہمی کو اب خوب سمجھ رہے ہیں۔"

"مجھے تو آج یقین ہو گیا ہے کہ یہ کوئی ایسی تحریک نہیں ہے جس سے قوم کو نقصان ہو، یہ لوگوں کی تحریک ہے۔ لوگوں کے واسطے ہے۔ اور لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔"

"ہم بھی امداد باہمی میں شریک ہو جاتے ہیں۔"

اسی طرح دو مزدور عورتیں آپس میں یہ باتیں کئے جا رہی تھیں۔

"بہن! داس بابو، تو خیر بچارے صبح و شام ہم غریبوں کے لئے سر مارتے پھرتے ہیں۔ دیکھو سو شیلا اور مترا کو بھی آرام نہیں ہے، صبح شام انہیں امداد باہمی کی دھن لگی ہے۔ اور اس کا ایسے ہی پرچار کرتی ہیں گویا یہ ایک دھرم ہے۔"

"بہن! جس چیز میں فائدہ ہو وہ جب تک دھرم سمجھ کر نہ کی جائے حاصل نہیں ہوتی۔"

اسی طرح ایک ساہوکار دوسرے ساہوکار کو دیکھ کر بولا:۔

"آہا! جلسہ سُننے آیا تھا؟"

"ایسے سُننے کھڑا ہو گیا۔ مہاراج کیا کیا جائے داس بابو نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا!"

"بھئی! خواہ تم غصہ ہی مانو، کہتا تو سچ ہے۔ ہم تو اس سوچ میں ہیں کہ انہی لوگوں سے مل کر بیوپار شروع کریں۔"

"تم کیا کرو۔ ہم سے تو نہیں ہو گا۔ خواہ ایک ہی آسامی رہ جائے۔"

غرض ہر ایک ایسے جلسے کے بعد اسی قسم کی چہ میگوئیاں ہوا کرتیں۔ داس بابو خوش تھا۔ کہ وہ کام جو نیک دلی سے کر رہا ہے۔ کامیاب ہو رہا ہے۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا۔ کہ واقعی یہ ایک ایسی تحریک ہے، جس میں ہر ایک مذہب اور عقیدے کا آدمی کھلے بندوں کام کر سکتا ہے۔ وہ دل میں اکثر باتیں کیا کرتا تھا۔

امداد باہمی! یہ وہ نشہ ہے جسے کوئی ترشی اُتار نہیں سکتی۔ میں اُس تیراک کی طرح ہوں۔ جو موجوں کے تھپیڑوں سے ساحل سے دور چلا گیا ہو۔

امداد باہمی ایک بحر بیکراں ہے۔ امداد باہمی میرا دھرم ہے

میرا ایمان ہے۔

سوشیلا کھدر کے نرم تکیہ پر سر رکھے ہوئے رات مادرِ خواب کی آغوش میں اپنے آپ کو یہ لوریاں دیتے سویا کرتی ہے

"ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پرماتما ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو سب کا پالن ہار ہے۔ تو نے سب کو پیدا کیا۔ تو سارے جگ کا مہاراجہ ہے، ہے پرماتما! تجھ ہی سے سب مدد مانگتے ہیں۔ ہے پرماتما! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جیسے تو نے میرے پیارے بپّی کو "امداد باہمی" کا راستہ دکھایا ہے۔ ویسے تو سارے جگ کو دکھا۔ ہے پرماتما! تو اُس کی رکھشا کرتا ہے جو خود اپنی رکھشا کرتے ہیں۔ ہے پرماتما! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہے بھگوان! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہے ایشور! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تمام شد

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام ابو نظام الدین پرنٹر چھپا:۔

حب وطن

مسٹر ہیوڈر شہرہ آفاق جرمن ناولسٹ [illegible] کا ترجمہ ہے۔ جو ناول
سینما تھیٹر کی شکل میں جرمنی اور ان کے بڑے بڑے شہروں میں
دکھایا جاتا ہے۔ ایک سچی حب وطن کے ایثار کا حیرت انگیز
مرقع ہے۔ قیمت ۱۲ ر

پریم نگر

خواجہ عبدالکریم کے ناول پریم نگر کو خاص امداد باہمی
بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ خان محمد بشیر احمد خاں صاحب
ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لندن) سکرٹری
پنجاب کو اپریٹو یونین اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔ کہ اول مرتبہ
امداد باہمی ایسا خشک مضمون اس دلچسپ انداز سے پیش کیا ہے
کہ اسے فسانہ امداد باہمی کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔۔۔ امداد باہمی
کی عالمگیر کرشمہ سازیاں اس خوبی و فصاحت سے پیش کی گئی ہیں۔
کہ ایک معمولی قابلیت کے شخص پر بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔
قیمت عمر

دارالاشاعت پنجاب لاہور